شاہ محمد جعفر پھلواروی

اسلامی اور رواجی پردہ

ہمارے معاشرے میں جو جو پیچیدگیاں زیادہ حل طلب ہیں ۔ سوئے اتفاق سے انہی پر کم توجہ دی گئی ہے ۔ مثال کے طور پر آپ "کمرشل انٹرسٹ" کو دیکھیں ۔ پورے معاشرے کا نظام تجارت اسی پر چل رہا ہے اور اس سے پوری طرح یا ہر آنا سردست تقریباً ناممکن ہے ۔ لیکن بہت کم اہل علم ہیں جنہوں نے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے ۔ کسی چیز کو جائز یا ناجائز کہہ کر الگ ہو جاتا تو صرف فتویٰ ہے ۔ کام صرف فتوے سے نہیں چلتا ۔ ضرورت ہے مشکلات کا حل تلاش کرنے کی ۔

اس کی مثال یوں سمجھیئے کہ ایک شخص کا باپ اسے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے مجبور کرتا ہے ۔ اور وہ دیانتہً اپنی بیوی میں کوئی ایسا عیب نہیں پاتا جو اسے مستحق طلاق بنائے ۔ اگر وہ طلاق دیتا ہے تو ایک بے گناہ پر ظلم ہوتا ہے ۔ اور وہ بھی ابغض المباحات کی شکل میں ۔ اور اگر نہیں دیتا تو باپ کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے ۔ ایسی حالت میں جو بھی فتویٰ دیا جائیگا وہ یا تو یہ ہوگا کہ ایک بے گناہ کو طلاق دے کر ایک ابغض الحلال کا ظالمانہ برتاؤ کرے ۔ یا یہ فتویٰ ہوگا کہ طلاق سے گریز کر کے باپ کی دل آزاری و نافرمانی کا ارتکاب کرلے ۔ یہ صرف فتویٰ ہوگا لیکن مشکل کا حل نہ ہوگا ۔ حالانکہ ایسی بھی صورت نکل سکتی ہے کہ باپ بھی راضی رہے اور بیوی پر بھی زیادتی نہ ہو ۔

حل مشکلات کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ایک شرعی حکم پر عمل بہت دشوار ہو جاتا ہے ۔ اس وقت کوئی ایسی راہ تلاش کرنی پڑتی ہے کہ اس حکم کا پورا پورا احترام باقی رکھتے ہوئے یا اس پر زیادہ سے زیادہ عمل کرتے ہوئے جو خامیاں رہ جائیں ان کو دور کیا جا سکے ، اور تعمیل حکم میں جو خلا رہ جائے ان کو پُر کیا جا سکے ۔ یعنی اس حکم کو کلیتہً ترک کرنے کی معصیت کا ارتکاب نہ ہو ۔ اس کی کئی صورتیں ہوتی ہیں :-

(۱) یہ کہ شریعت نے صاف لفظوں میں کوئی آسانی پیدا کر دی ہو ۔ مثلاً اگر تم اتنے معذور ہو کہ فلاں کام کر ہی نہیں سکتے تو وہ تمہارے لیے ضروری بھی نہیں ۔

(۲) یا اس کا کوئی بدل بتا دیا ہو ۔ مثلاً اگر تم کفارۂ قسم میں دس مسکینوں کو کھانا یا کپڑا ، نہیں دے سکتے تو ایک قیدی کی رہائی یا تین روزوں سے اس کی تلافی کرلو ۔

(۳) یا کسی دوسرے حکم پر قیاس کیا گیا ہو جیسے نماز متروک کے کفارے کو صوم متروک کے کفارے پر قیاس کیا گیا ہے۔

(۴) یا از سر نو کوئی واضح آسانی، بدل یا قیاس موجود نہ ہونے کے باعث اجتہاد کیا جائے۔ ایسے اجتہادات سے کسی دور میں مفر نہیں۔ یہ تمام مواقع اس وقت بڑی شدت کے ساتھ سامنے آتے ہیں جب کچھ کرنا پڑے۔ لیکن اس کے کرنے میں کسی بڑے شر سے دوچار ہونا بھی ناگزیر ہو۔

موجودہ زمانے میں پردۂ نسواں کا مسئلہ اسی قسم کی پیچیدگی سے دوچار ہے۔ اس سلسلے میں جو سوالات سامنے آتے ہیں ان سے اس مشکل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سوالات یہ ہیں:

(۱) پردے کے حدود کیا ہیں اور ان کی غایت و غرض کیا ہے۔

(۲) پردہ کن عورتوں کے لیے ہے۔

(۳) ہمارا موجودہ پردہ اسلامی پردے سے کہاں تک مطابقت رکھتا ہے؟

(۴) ہمارے موجودہ رسم پردہ سے کیا کیا خامیاں پیدا ہو رہی ہیں۔

(۵) ان میں کیا کیا اور کہاں کہاں ترمیمات ضروری ہیں۔

(۶) مختلف ممالک کی رعایت سے پردے کی حدود میں کیا اختلافات قابلِ قبول ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

قرآنی احکام

اب ہر ایک سوال کے متعلق تشریحی جواب ملاحظہ کیجئے۔ پردے کے متعلق قرآنی احکام یوں ہیں:

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ط ذالک ازکی لھم ط ان اللہ خبیر بما یصنعون ○ وقل للمومنٰت یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن ص ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او اٰبائھن او اٰباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نسائھن او ما ملکت ایمانھن او التٰبعین غیر اولی الاربة من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علیٰ عورٰت النساء ص ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن (۲۴: ۳۰ تا ۳۱)

مومن مردوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے فروج کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے پاکیزہ ترین طریقہ ہے۔ بلاشبہ ان کی کارستانیوں سے اللہ باخبر ہے۔ اور مومن عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنے فروج کی محافظت کریں اور اپنی زینت کو — اتنے حصے کے سوا جو کھلا رہتا ہے — نہ کھولیں۔ اور اپنے دوپٹے کو بُکل مار کر اوڑھیں۔ اپنی زینت

کو کسی کے سامنے نہ ظاہر ہونے دیں بجز اپنے شوہر، باپ، سسر، فرزند، سوتیلے فرزند، بھائی، بھتیجے، بھانجے، اپنی عورت، زیر دست اور ایسے ملازموں کے جو خطرے سے خالی ہوں، اور ایسے بچوں کے جو عورتوں کی پردے کی باتوں سے ناواقف ہوں۔ نیز وہ اپنے پاؤں کو اس طرح مارتی ہوئی نہ چلیں کہ قابل اخفا زینت کا علم ہو جائے۔

اب یہاں چند ضروری نکات سن لینے چاہئیں:

(۱) آنکھ والوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ خود ان کی آنکھیں ہیں۔ تمام جنسی فتنے آنکھوں کی راہ سے دل و دماغ تک پہنچ کر شر پیدا کرتے ہیں۔ نگاہوں پر قابو رکھنا سب سے زیادہ دشوار ہے۔ اسی لیے احادیث میں پہلی اچانک نظر کے لیے معافی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ اگر نگاہوں پر افراد معاشرہ قابو حاصل کر لیں تو پردے کے تمام مسائل و مباحث خود بخود طے ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے سب سے پہلے یہی بنیادی حکم دیا گیا ہے۔ لیکن جمال پسندی کی جڑیں انسانی فطرت میں اس قدر گہری ہوئی ہیں کہ ان کا اکھڑنا دشوار تر ہے۔ اس لیے اس حکم کی تعمیل میں جو خامیاں لازماً رہ جاتی ہیں ان کو دور کرنے کے لیے باقی دوسرے احکام دیئے گئے ہیں۔

(۲) عربی زبان میں "مِنْ" تبعیض کے لیے آیا کرتا ہے (اگر زائد نہ ہو)۔ انفقوا مما رزقنٰکم کا مطلب یہ نہیں کہ خدا نے تمہیں جو کچھ دیا ہے وہ سب دے ڈالو۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کچھ حصہ دو۔ اسی "کچھ" کے لیے عربی میں من آتا ہے۔ یہاں من ابصارھم اور من ابصارھن سے مراد یہ نہیں کہ اپنی ہر نظر کو ہر آن نیچا ہی رکھو۔ ٹریفک کی زد سے بچنے کے لیے۔ شہادت و شناخت کے لیے، تشخیص مرض کے لیے۔ گھر میں آنے جانے والوں سے ضروری گفتگو کے لیے۔ غرض بہت سے ضروری مقاصد ایسے ہیں جن کے لیے غض بصر کو ترک کرنا پڑے گا۔ "مِنْ" کی یہی بلاغت ایسے تمام مواقع سے غض بصر کو مستثنیٰ کر دیتی ہے۔ یہ حکم مطلق ہوتا اور ہونے کا سہارا نہ ہوتا تو زندگی اجیرن ہو جاتی۔ اس حکم کے بعد فروج کی محافظت کا حکم ہے۔ اور اسی کو اس حکم ــــ غض بصر ــــ کی غایت سمجھنا چاہیئے۔

(۳) لفظ "فروج" ہماری زبان میں شاید سوقیانہ ہو لیکن عربی میں نہایت مہذب لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں شگاف۔ انسانی جسم میں آنکھیں، ناک، کان، منہ اور مقاماتِ بول و براز یہ سب فروج یعنی شگاف ہیں اور حفظ فروج میں یہ سب داخل ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر شگاف ایسا ہے جس کے راستے سے شیطنت دل و دماغ پر چھا سکتی ہے۔ لہٰذا جہاں یہ درست ہے کہ:

دیکھا جو حسن یار طبیعت مچل گئی ۔۔۔ آنکھوں کا تھا قصور چھری دل پہ چل گئی

وہاں یہ بھی صحیح ہے کہ:

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد ۔۔۔ بسا کیں دولت از گفتار خیزد

حفظ فروج میں غض بصر بھی داخل ہے لیکن سب سے بڑا ذریعۂ فساد ہونے کی وجہ سے اسے الگ ذکر کیا گیا ہے۔

(۴) زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی کے بھی ہیں اور بالیدگی کے بھی۔ اس لیے مراد معاشرے کی اخلاقی پاکیزگی اور روحانی بالیدگی ہے۔ اور جس طرح غض بصر کی غایت حفظ فروج ہے اسی طرح حفظ فروج کی اصلی غایت معاشرے کی اخلاقی پاکیزگی اور روحانی بالیدگی ہے اور اسی کو ذالك اذكیٰ لهم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۵) ایک بڑا اہم نکتہ یہ ہے کہ غض بصر کا جو حکم مردوں کو دیا گیا ہے وہی عورتوں کو بھی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ چہرہ کھلا رکھنے کی اباحت میں زن و مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ہمارے موجودہ معاشرے کا برقع اگر اسلامی پردے کا لازمی جز سمجھ لیا جائے جس میں عورتوں کا چہرہ ڈھکا رہتا ہے تو مردوں کو غض بصر کا حکم دینے کا کوئی واضح مطلب نہیں نکلتا۔ دور رسالت میں بلکہ خلافتِ راشدہ میں بھی برقعے کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔[1] غالباً امویوں کے اواخر عہد سے صرف نقاب کا وجود ملتا ہے جس میں آنکھیں اور ناک کھلی رہتی ہیں۔ عباسیوں کے دور میں بھی یہی تھا۔ بعد میں معلوم نہیں کب سے برقعے کا رواج ہوا۔ قرآن نے صرف ادنائے جلباب (گھونگھٹ نکالنے) کا حکم دیا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

(۶) عورتوں کے چہرہ چھپانے یا برقع اوڑھنے کی ضرورت پر یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ چہرہ کھلا رکھنے یا فقط ادنائے جلباب کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ مردوں کی طرف سے غض بصر ہو۔ جب عام طور پر مردوں میں غض بصر ہی نہ ہو تو اس کا علاج چہرہ چھپانا ہی ہے۔ گویا چہرہ کھلا رکھنے کی اباحت و اجازت حالات کے بدلنے سے عدم جواز میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے۔

لیکن یہ استدلال کچھ زیادہ قوی نہیں کیونکہ یہ عجیب بات ہو گی کہ قصور تو ہو مردوں کا (یعنی وہ غض بصر نہ کریں) اور اس کی سزا دی جائے عورتوں کو کہ تم گھروں میں بند ہو جاؤ یا برقع اوڑھ کر منہ چھپالو۔ سزا دینی ہے تو ان مردوں کو دینا چاہیے جو غض بصر نہیں کرتے۔

(۷) مرد کی فطرت میں فعلیت اور عورتوں کی فطرت میں انفعالیت ہے۔ قرآن اس فطرت کو باقی رکھنا چاہتا

---

(۱) یہاں ایک آیت غور طلب ہے۔ ارشاد ہے ۔۔۔۔ ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبك حسنهن یعنی اے رسولؐ تم اپنی موجودہ بیویوں کو دوسری بیویوں سے بدل نہیں سکتے اگرچہ ان کا حسن تمہیں فریفتہ ہی کیوں نہ کر دے۔ ظاہر ہے کہ یہ فریفتگی کھلا چہرہ دیکھے بغیر کیونکر ممکن ہو سکتی ہے؟

ہے۔ اس لیے وہ عورتوں کو غضِ بصر کے علاوہ کچھ اور احکام بھی دیتا ہے۔ ان احکام کا مقصد یہ ہے اپنی انفعالیت میں ایسا کوئی جارحانہ انداز پیدا نہ کریں جو مردوں کے چشم و گوش کو دعوتِ نظارہ دے کر عقل و ہوش کو وساوس کی آماجگاہ بنا دیں۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ فلاں فلاں رشتے داروں یا متعلقین کے سوا کسی کے لیے اظہارِ زینت نہ کرو۔

(۸) "زینت" کا لفظ قرآن مجید میں کئی چیزوں کے لیے آیا ہے۔

(الف) انسان کے ان متعلقات کے لیے جو انسان سے الگ ہوتے ہیں۔ مثلاً باربرداری اور سواری کے جانور کو بھی زینت کہا گیا ہے لترکبوھا و زینۃ۔

(ب) ان چیزوں کے لیے جو انسان سے متصل تو رہتے ہیں لیکن اس کا جز نہیں مثلاً لباس، زیور، اور سامانِ زیبائش بدن (خذوا زینتکم عند کل مسجد)

(ج) ان چیزوں کے لیے جو جزوِ انسان ہیں۔ مثلاً چہرہ، باہیں، پنڈلیاں، گردن، سینہ، بال، آنکھیں اور ایک اچھے جسم کا ہر حصہ۔

مذکورۂ بالا آیت میں زینت سے یہی تیسری چیز مراد ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زیوروں کا اظہار عموماً عورتوں کی فطرت میں داخل ہے اسی لیے آگے حکم ہے کہ عورتیں اپنے پاؤں زمین پر اس طرح مارتی ہوئی نہ چلیں کہ ان کی قابلِ اخفا زینت کا دوسروں کو علم ہو جائے۔ لیکن محض زیور اگر کسی کو دکھائے جائیں تو اس میں شر کے امکانات قابلِ ذکر نہیں ہوتے۔ مقصد تو یہ ہے کہ زیوروں کے اظہار سے لازماً مقاماتِ زیور کی نمائش بھی ہو جاتی ہے۔ اور یہی فتنہ و شر کا باعث بن سکتی ہے۔ لہٰذا یہاں زینت ظاہر کرنے کی جو ممانعت ہے اس سے مراد وہ حصہ ہائے بدن ہیں جن کو زیوروں سے آراستہ کیا جاتا ہے اور ان اجزائے بدن میں اس سے مزید کشش پیدا ہو کر سببِ فتنہ بنتی ہے۔

(۹) جن اعضا یا مقاماتِ زیور کو حکمِ پوشیدگی سے مستثنیٰ قرار دے کر کھلا رکھنے کی اجازت ہے اسے الا ما ظہر منہا فرمایا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ "جو عموماً کھلے ہی رہتے ہیں"۔ تمام ائمہ اور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ ما ظہر منھا میں چہرہ۔ دونوں ہاتھ کلائیوں تک اور دونوں پاؤں ٹخنوں تک داخل ہیں۔ مفسرین کی تفسیر بہت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ عورت کوئی کام کرتی ہو یا بےکار بیٹھی ہو، جسم کو ڈھانکنے والا لباس تو ہر وقت ہی پہنے رہتی ہے لیکن چہرے پر نقاب یا پاؤں میں جرابیں یا ہاتھوں میں دستانے ہر وقت کبھی نہیں پہنتی۔ خصوصاً کام کے وقت نہ چہرہ ڈھانکا جا سکتا ہے نہ دونوں ہاتھ پاؤں۔ یہ وہ اعضا ہیں جن کو عادتاً اور ضرورۃً کھلا ہی رکھنا پڑتا ہے۔ اہلِ تفسیر کی اس تشریح سے ہمارے اس استدلال کو بھی تقویت پہنچتی ہے جسے ہم نے ع۶ میں بیان کیا ہے کہ غضِ بصر کا حکم زن و مرد دونوں ہی کو ہے اور یہ اسی صورت میں درست ہو گا جب کہ چہرے دونوں کے کھلے ہوں۔

(۱۰) چہرہ اور ہاتھ پاؤں کھلا رکھنے کے ساتھ ایک شرط یہ بھی ہے کہ آنچل کا بُکّل مارے رہیں۔ بُکّل مارنے کا مفہوم یہ ہے کہ دوپٹے یا چادر کو اس طرح اوڑھا جائے کہ سینہ بھی ڈھک جائے۔ اگر یہ مقصد کسی اور طرح حاصل ہو جائے تو یہ قرآنی اسپرٹ کے خلاف نہ ہوگا۔ نرسوں کے لباس میں دوپٹہ نہیں ہوتا لیکن ان کے جسم کا لباس اتنا ڈھیلا ہوتا ہے کہ بُکّل مار کر دوپٹہ اوڑھنے کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور جسم کے سامنے کے حصّوں کا نشیب و فراز نمایاں نہیں ہوتا۔ یہ تبدیلی تقریباً ایسی ہی ہے جیسے کوئی اونٹ کی بجائے طیارے سے سفر کرے، یا تلوار کی جگہ بندوق کو جنگ میں استعمال کرے یا مسواک کے بدلے ٹوتھ برش سے کام لے۔ قرآن ایسے تمام مواقع پر جو شکل پیش فرماتا ہے اس سے محض وہ شکل مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کی معنویت مقصود ہوتی ہے۔

(۱۱) ایک پیچیدگی بہت قابل غور ہے۔ ولا یبدین زینتھن چند کلموں کے فصل سے دوبار اس آیت میں آیا ہے۔ ایک یہ کہ اپنی زینت کو نہ ظاہر کرو مگر اسی قدر جو عام طور پر ظاہر ہی رہتا ہے (یعنی چہرہ، کفین، اور قدمین) اور چند لفظوں کے بعد یہ حکم ہے کہ اپنی زینت کو نہ ظاہر کرو مگر فلاں فلاں کے لیے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ دونوں دو حکم ہیں یا ایک ہی ہے؟ نیز یہ کہ دونوں جگہ زینت کا ایک ہی مفہوم ہے یا جدا جدا۔ یہ ظاہر ہے کہ عورت کا جسم سراپا زینت ہے جس سے چہرے اور ہاتھوں پاؤں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ لباس، زیور، اور بناؤ سنگھار بھی یقیناً زینت ہی ہیں۔ لہٰذا اگر دونوں حکم ایک ہی ہے —— ایک مجمل اور دوسرا مفصل —— تو اس کے معنی یہ ہوں گے اپنی زینت کو سب سے پوشیدہ رکھو حتیٰ کہ اپنے شوہر سے بھی۔ الا لبعولتھن۔ البتہ چہرہ اور ہاتھ پاؤں (مع اپنے زیوروں کے) ان سب کے سامنے ظاہر کر سکتی ہو۔ اور اگر یہ دو الگ الگ حکم ہیں تو پہلے کا مطلب یہ ہوگا اپنے چہرے اور ہاتھ پاؤں کو (مع ان کے زیوروں کے) دنیا کے ہر شخص کے سامنے کھلا رکھ سکتی ہو اور دوسرا حکم یہ ہے کہ چہرہ مع کفین و قدمین کے علاوہ بھی دوسری ساری زینتوں کو صرف فلاں فلاں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہو۔ لیکن یہ چول بھی ٹھیک نہیں بیٹھتی۔ ایک تو اس لیے کہ شوہر اور دوسرے تمام مستثنیٰ لوگوں کے درمیان اس بارے میں یقیناً فرق ہے۔ دوسرے یہ کہ اس صورت میں عورت اپنی دوسری زینتوں کو —— جس میں سر سے پاؤں تک کے تمام حصہ ہائے جسم داخل ہیں —— ان سب کے سامنے (جن میں ایک نوجوان غلام (ما ملکت ایمانھن) بھی ہے) کھلا رکھ سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کچھ لگتی ہوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔ لہٰذا یہاں دوسرے حکم میں جس زینت کا ذکر ہے وہ یقیناً کوئی ایسی ہی زینت ہوگی جس میں شوہر، مذکورہ رشتے دار اور غلام سب یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔

اس پیچیدگی کا حل مجھے کسی کتاب میں نہ مل سکا۔ غور کرنے کے بعد جو کچھ سمجھ میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ

عورت کی زندگی کے بہت سے مواقع ہوتے ہیں اور ہر موقعے کے لیے الگ الگ احکام ہیں۔ کبھی وہ تنہا ہوتی ہے۔ کبھی صرف اپنے شوہر کے ساتھ۔ کبھی اپنے گھر میں مختلف افرادِ خانہ کے ساتھ۔ کبھی گھر سے باہر یا راستے میں یا بازار یا کسی اور جگہ میں اور کبھی میدانِ جنگ میں۔ ظاہر ہے کہ ہر موقعے پر جب مرد ایک ہی ہیئت و انداز سے نہیں رہتے تو عورتیں کس طرح رہ سکتی ہیں؟ اس لیے صاف معلوم ہوتا ہے زیرِ نظر آیت کے احکام اس عورت کے لیے ہیں جو اپنے گھر کے اندر ہو اور دوسرے لوگ بھی (جن کا اس آیت میں ذکر ہے) وہاں موجود ہوں یا ان کے آنے جانے کا سلسلہ جاری ہو۔ یہ سلسلۂ آمد و رفت اوقاتِ استراحت کے سوا ہر گھر میں رہتا ہے۔ چہرے یا ہاتھ پاؤں کو کھلا رکھنے کی اجازت خاص اسی موقعے کے لیے ہے اور اس میں شوہر اور باقی سارے افراد یکساں طور پر شامل ہیں۔ یہی عورت جب باہر نکلے گی یا استراحت کے لیے جائے گی تو اس کے لیے دوسرے احکام ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ بالکل واضح چیز ہے کہ جس موقعے کے لیے مذکورۂ بالا احکام ہیں اس میں ایک ایسی عورت کے لیے جو گھر کا کام کاج بھی کرتی ہو اپنے چہرے یا ہاتھ پاؤں کو کھلا رکھنا ناگزیر ہوتا ہے۔ لیکن اس کے لیے تکلّ مارنا بھی ضروری ہے (خواہ یہ مقصد دوپٹے سے پورا کیا جائے یا ڈھیلے لباس سے جیسا کہ نمبر ۱ میں ہم لکھ چکے ہیں۔

(۱۲) اس حکم میں نسائھن کا بھی ذکر ہے جس کے معنی ہیں "اپنی عورتیں"۔ اہلِ تفسیر اس کے معنی مسلمان عورتیں بتاتے ہیں لیکن اگر کسی مسلمان کی کتابیہ بیوی ہو تو وہاں یہ معنی لینا دشواری سے خالی نہ ہوگا۔ بہرکیف اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ خطرات صرف مردوں ہی سے نہیں ہوتے۔ عورتوں سے بھی عورتوں کو کئی طرح کے خطرے ہو سکتے ہیں۔

(۱۳) آیت میں پیر کو مار کر چلنے کی بھی ممانعت ہے ولا یضربن بارجلھن اور اس حکم کی علت بھی بتا دی گئی ہے کہ عورت کی قابلِ پوشیدگی زینت کا اظہار نہ ہو۔ یعنی اس نیت سے وہ پاؤں نہ ماریں اس حکم سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید اس پوری آیت کے احکام کا تعلق اندرونِ خانہ سے نہیں بلکہ بیرونِ خانہ سے ہے۔ لیکن اوپر کے تمام احکام کو دیکھتے ہوئے یہ بھی اندرونِ خانہ ہی کے احکام سے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ یعنی یہ اندازِ رفتار ایسا ہے کہ اس سے گھر کے اندر بھی احتیاط چاہیے اور ظاہر ہے کہ جب گھر کے اندر اس اندازِ رفتار کی ممانعت ہوگی تو باہر کے لیے یہ ممانعت بطریقِ اولیٰ ہوگی۔ کیونکہ باہر تو اور زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ گھر تو تربیت گاہ ہے۔ اگر یہاں بعض احتیاطیں نہ برتی جائیں تو ممکن ہے کہ اندرونِ خانہ نقصان رساں نہ ہوں لیکن باہر ان کا باعثِ فساد ہونا بعید نہیں۔

دوسرا حکم

یا ایها الذین آمنوا لیستأذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلٰث مرّات ط من قبل صلوٰة الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظهیرة ومن بعد صلوٰة العشاء ط ثلٰث عورٰت لکم ط لیس علیکم ولا علیهم جناح بعدهن ط طوافون علیکم بعضکم علیٰ بعض ..... واذا بلغ الاطفال منکم الحلم فلیستأذنوا کما استأذن الذین من قبلهم ...... (۲۴: ۵۸، ۵۹)

مسلمانو! تمہارے زیر دست اور تمہارے نابالغ تین موقعوں پر اجازت لے کر اندر آیا کریں۔ نماز صبح سے پہلے۔ دوپہر کو جب تم (استراحت کے لیے) کپڑے اتار دیتے ہو اور نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین پردے کے مواقع ہیں۔ ان کے علاوہ (بلا اجازت آجانے میں) نہ تم پر کوئی گناہ، نہ ان (آنے والوں) پر (کیونکہ) ان سبھوں کو ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی پڑتا ہے۔ ..... اور جب لڑکے جوان ہوجائیں تو وہ بھی انہی لوگوں کی طرح جن کا پہلے ذکر آچکا ہے اجازت لے کر آئیں۔

چند نکات

(۱) احکام گزشتہ کی طرح یہ احکام بھی اندرون خانہ ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ وہ عام حکم تھا اور یہ خاص اوقاتِ تخلیہ کا حکم ہے۔ حکم بھی صرف دو قسم کے اشخاص کے لیے ہے۔ ایک زیر دست کے لیے۔ اور دوسرے چھوٹے بچوں کے لیے۔ ظاہر ہے کہ تخلیے میں ـــــ خواہ یہ استراحت کے لیے ہو یا کسی "اور مقصد" کے لیے یا محض تنہائی کے لیے ـــــ انسان کی زینت (لباس وغیرہ) میں وہ احتیاط نہیں ہوتی جو عام طور پر گھر دل کے اندر ہوتی ہے۔ نہ مرد شیروانی اور ٹوپی پہنتا ہے نہ عورت دوپٹہ سر پر ڈال کر بُکل مارتی ہے۔ بعض اوقات ستر پوشی بھی پوری نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایسے مواقع پر نہ زیر دستوں کو بلا اجازت داخل ہونا چاہیئے نہ بچوں کو۔ یہ انتہائی احتیاط اور اعلیٰ تہذیب ہے۔ ان دو کے علاوہ اور جن لوگوں کے سامنے اظہار زینت کی اجازت ہے۔ ان کے ذکر کی یہاں ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ جب زیر دستوں اور بچوں تک کے لیے ایسے مواقع پر اجازت کی ضرورت ہے تو دوسروں کے لیے بطریق اولیٰ ضروری ہوگا۔ اس حکم سے شوہر مستثنٰے ہے۔ کیونکہ تخلیہ ہوتا ہی ہے اس کے لیے۔ لہٰذا اس کے ذکر کی بھی ضرورت نہ تھی۔

(۲) "وضع ثیاب" کپڑے اتارنے کا مفہوم برہنگی نہیں بلکہ وہ کپڑے ہیں جو جسم کے کسی حصے کو (باستثنائے چہرہ وکفین وقدمین) ڈھانکنے کے لیے ہوں۔ یہی تخلیے کے موقعوں پر اتار دیئے جاتے ہیں۔

(۳) اندر آنے کی اجازت کے تینوں مواقع وہ ہیں جب کہ عام طور پر یا تو وضع ثیاب ہوچکا ہوتا ہے یا اس

کی تیاری ہوتی ہے۔ پس اوّلاً تو وہ مواقع بھی اس میں داخل ہوں گے جوان کے علاوہ وضع ثیاب کے لیے اپنے طور پر معین کر لیے جائیں۔ اور ثانیاً ان تین بیان کردہ مواقع میں کوئی موقع اگر وضع ثیاب کا نہ رکھا جائے تو وہ اس حکم سے خارج ہوگا۔ کیونکہ علت حکم وضع ثیاب ہے۔

(۴) ایک بڑا اہم نکتہ یہ ہے کہ ان تین مواقع اجازت کے علاوہ اور تمام مواقع کے لیے بلا پوچھے اندر آنے کی جو اجازت ہے اس کی علت کاروبارِ زندگی میں سہولت و وسعت پیدا کرنا ہے۔

(تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا پڑتا ہے) ایک زیردست غلام یا بچّہ یا دوسرے محارم اگر دن رات سو سو بار اندر آنے کی اجازت طلب کرتے رہیں تو زندگی ایک مصیبت بن کر رہ جائے گی۔ اور قیمتی وقت کا بیشتر حصہ اجازت لینے اور اجازت دینے ہی میں ختم ہو جایا کرے گا۔ اس طرح دنیا کا کام نہیں چل سکتا۔ زندگی تنگ ہو کر رہ جائے گی۔ لہٰذا جس جگہ بھی یہ تنگی پیدا ہوگی وہاں قرآن کی بخشی ہوئی فراخی سے کام لیا جائے گا۔ اگر زیردست کی جگہ ملازم ہو تو اس کے ساتھ بھی یہی رعایت ہوگی۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ وضع ثیاب کے وقت اذن کی ضرورت تقاضائے حیاداری ہے۔ اور وضع ثیاب کے مواقع کے علاوہ بلا اذن جب بھی آنے والا اندر آئے گا تو اس وقت عورت کی وہی صورت ہوگی جو پہلے حکم میں موجود ہے یعنی چہرہ، کفّین اور قدمین کھلے رہیں گے۔

(۵) اس دوسرے حکم میں پہلے تو یہ کہا گیا ہے کہ وضع ثیاب کے موقعوں پر نابالغ بچے اذن لے کر آئیں اور اس حکم میں آگے بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ جوان ہو جائیں تو اذن لے کر آئیں۔ اس کا صاف مطلب ہے نابالغ گھر کے اندر تو بلا اجازت ہی آسکتا ہے۔ البتہ وضع ثیاب کے موقعوں پر اسے اذن کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہی جوان ہو جائے تو وہ بھی اندر آسکتا ہے مگر با اجازت (خواہ ہر بار اجازت لینی پڑے یا متعدد بار کے لیے ایک ہی اجازت دے دی جائے۔ لہٰذا وضع ثیاب کے موقعوں پر تو بطریق اولیٰ اجازت ضروری ہے۔

(۶) ایسے کم سن اور جوان کے لیے دونوں جگہ مِنکُم کی قید لگی ہے۔ اس سے مراد مسلمان ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ پہلے حکم کے مطابق جب غیر مسلم عورتوں تک سے حجاب ہے تو غیر مسلم مردوں سے تو اور زیادہ حجاب ہونا چاہیئے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ منکم سے مراد مسلمان قوم ہی کا فرد ہو سکتا ہے۔ لیکن زیردستوں کے لیے یہ قید نہیں۔

(۷) ایک بات یہ بھی پیش نظر رکھیئے کہ آیت کے تمام احکام یہاں عورتوں ہی کے لیے ہیں لیکن صیغے مذکر کے آئے ہیں۔ کیونکہ قیّم مرد اور ہی کے واسطے سے یہ نظام قائم ہوتا ہے۔

تیسرا حکم

والقواعد من النساء التی لا یرجون نکاحا فلیس علیھن جناح ان یضعن ثیابھن غیر متبرجت بزینۃ وان یستعففن خیر لھن۔

وہ خانہ نشین عورتیں جنہیں کسی نکاح کی توقع نہ باقی رہی ہو اگر اپنے کپڑے اس طرح اتار دیں کہ زینت کی نمائش نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ تاہم اگر وہ بھی عفاف اختیار کریں تو ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

چند نکات اس میں بھی غور طلب ہیں:

(۱) ایسی خانہ نشین عورتیں یا تو وہ ہو سکتی ہیں جو بوڑھی ہو چکی ہوں یا اگر بوڑھی نہ ہوں تو کسی وجہ سے وہ اپنے اندر کوئی ظاہری کشش نہ رکھتی ہوں۔ گھر کے اندر مذکورہ بالا تین موقعوں کے علاوہ بھی یہ وضع ثیاب کر سکتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ زینت کا "تبرّج" نہ ہو۔

(۲) تبرّج کا واضح مفہوم تفسیروں سے ظاہر نہیں ہوتا۔ ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ تبرّج کے معنی ہیں قابل ستر اعضا کو عریاں کر دینا۔ اوپر آپ معلوم کر چکے ہیں کہ چہرہ، کفین اور قدمین گھر کے اندر چند مخصوص لوگوں کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے۔ ان کے علاوہ سارا جسم ہی قابل اخفا ہے۔ پس مایوس از نکاح عورتوں کے لیے کپڑے الگ کر دینے کی اجازت تو ہے لیکن اس طرح نہ ہو کہ باہیں، گریباں، پشت، سینہ، بازانیں وغیرہ عریاں ہو جائیں۔ اس حکم میں اس طرح کے باریک لباس بھی آجاتے ہیں جن سے جسم باقاعدہ جھانک رہے ہوں۔

یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابداءِ زینت اور تبرّج بالزینت میں فرق ہے۔ اگر لباس (یا زیور) کے ساتھ جسم کے نشیب و فراز کی نمائش ہو تو وہ ابدائے زینت ہے اور اگر عریانی یا مشابہ عریانی ہو تو وہ تبرّج ہے۔ (تبرّج کا کچھ ذکر آگے بھی آئے گا)

(۳) مایوس از نکاح عورتوں کے لیے بھی عام حالات میں جو گھر کے اندر وضع ثیاب کی اجازت ہے اس کے ساتھ ایک اور ارشاد بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ اس رخصت کے باوجود بھی دوسری عورتوں کی طرح احتیاط برتیں تو بہر حال یہ ان کے لیے بہتر ہی ہے۔ یہ بہتری اس لیے ہے کہ عزیمت پر عمل کرنا رخصت پر عمل کرنے سے بہر حال بہتر ہے کیونکہ بعض حالات میں عزیمت اور رخصت کے درمیان اتنا باریک فرق ہوتا ہے کہ صحیح موقف کا فیصلہ دشوار ہو جاتا ہے۔ دوسری بہتری یہ ہے کہ ایسی عورتوں کا طرز عمل دوسری عورتوں کے لیے ایک نمونہ ہوگا، اور اس سے تربیت میں مدد ملے گی۔

(۴) اس حکم سے زندگی کا ایک بڑا اصول مستنبط ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ شریعت کا ہر حکم ہر موقعے کے لیے یکساں درجہ نہیں رکھتا۔ اندرونِ خانہ پردے کا جو کچھ بھی حکم ہے وہ ہر عورت کے لیے نہیں اور نہ ہر حالت کے لیے۔ کسی وقت بعض تکالیف شرعیہ ساقط بھی ہو جاتی ہیں۔ یعنی ان کی پابندی ضروری نہیں ہوتی۔ لیکن بندۂ صالح ضروری نہ ہونے کے باوجود عزیمت پر عمل کرتا ہے۔ یہ تغیر و تبدل صرف علتِ حکم بدل جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس مقصد کے لیے کسی حکم پر عمل کیا جاتا ہے اس سے اعلیٰ تر کسی اور مقصد کے لیے وہ عمل ترک بھی کر دیا جاتا ہے۔ جب تک آپ کعبے سے باہر ہیں آپ کو قبلہ رو ہو کر نماز ادا کرنی پڑے گی۔ لیکن کعبے کے اندر داخل ہونے کے بعد رو بہ قبلہ ہونے کی شرط اور سمتِ کعبہ کی تعیین ختم ہو جاتی ہے:

چہ غم ارغواص را پاچیلہ نیست — اندرونِ کعبہ رسمِ قبلہ نیست
تا لب بحر ایں نشان و نقشِ پاست — چوں بہ بحر آئی نشانِ پا کجاست
(رومیؒ)

ایک قابلِ التفات عورت کے لیے حدودِ پردہ کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ ناقابلِ التفات ہو جاتی ہے تو پردے کے وہ قوانین اس کے لیے ساقط العمل ہو جاتے ہیں کیونکہ جو علتِ حکم پہلے موجود تھی وہ اب نہیں رہی۔ یہ علتِ حکم جہاں، جس حد تک اور جس وجہ سے بھی بدلے گی وہیں اسی حد تک اور اسی وجہ سے حکم ساقط ہو جائے گا۔ اور جہاں جس حد تک جس سبب سے پیدا ہوگی وہیں، اسی حد تک اور اسی سبب سے حکم عائد ہو جائے گا۔

چوتھا حکم

یہ حکم اگرچہ عام نہیں اور اس کی مخاطب صرف ازواجِ مطہرات ہیں تاہم یہ آئیڈیل ضرور ہے۔ امت کی ماؤں کو یہ حکم اسی لیے ہے کہ امت کی بیٹیاں بھی اس کی طرف بڑھیں۔ ارشاد ہے:

یٰنساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا ۝ وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی ... (۳۳:۳۳)

اے نبی کی بیویو! تم کسی عام عورت کی طرح نہیں ہو بشرطیکہ تقویٰ اختیار کرو۔ لہٰذا گفتگو میں ایسا لوچ نہ اختیار کرو کہ کوئی خراب نیت والا للچانے لگے۔ بلکہ مناسب اندازِ گفتگو رکھو۔ اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور پچھلے جاہلی انداز کا تبرج نہ اختیار کرو۔

اس کے علاوہ ایک دوسرا حکم یہ بھی ہے:

واذا سألتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب ۔ ذٰلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن .... (۳۳:۵۳)

جب تم ان (ازواج مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ یہ تمہارے اور ان کے دونوں کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔

ان دونوں آیات کے بعض ضروری نکات یہ ہیں:

(۱) ازواج مطہرات اگر اہل تقویٰ ہوں (اور یقیناً وہ ایسی ہی تھیں) تو ان کی سطح امت کی تمام عورتوں سے اسی طرح بلند تر ہے جس طرح ماں اپنی بیٹیوں سے بلند تر ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے لیے احکام بھی کچھ زیادہ سخت ہیں کیونکہ انہیں آئیڈیل بننا ہے۔

(۲) ان کے لیے آواز کا بھی پردہ ہے مگر صرف اسی آواز کا جس میں فتنہ انگیز لوچ ہو۔ مطلقاً آواز کا پردہ نہ ان کے لیے ہے نہ اُمّت کی بیٹیوں کے لیے۔ لیکن جس اندازِ گفتگو سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو وہ دونوں کے لیے ممنوع ہونا چاہیئے۔

(۳) انہیں گھر میں بیٹھنے کا حکم ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ازواج مطہرات کبھی کسی کام کے لیے بھی باہر نہ نکلیں۔ ضرورت کے وقت وہ اپنے اقربا کے پاس جا سکتی ہیں۔ وعظ و نصیحت کے لیے یا کسی اور گتھی کو سلجھانے کے لیے بھی نکل سکتی ہیں۔ اس کی کوئی ممانعت نہیں۔

(۴) گھروں میں بیٹھنے کے لیے یہ انداز اختیار کرنا ضروری ہے کہ وہ باوقار ماؤں کی طرح رہیں (بعض لوگوں نے قرن کو وقار ہی سے لیا ہے) اور گھر کے اندر بھی اور باہر بھی "تبرّج" نہ ہو۔

(۵) اوپر آپ دیکھ چکے ہیں کہ گھر کے اندر بوڑھی یا ناقابلِ التفات عورتوں کو بعض کپڑے اتار دینے کی اجازت کے ساتھ یہ شرط ہے کہ غیر متبرجٰت بزینۃ اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں۔ اس کی وضاحت میں ہم نے اوپر لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مقاماتِ زینت (یعنی کسی قابلِ اخفا حصۂ جسم) کو عریاں نہ ہونے دیں۔ یہاں ازواجِ مطہرات کو گھر کے اندر رہنے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ تمہیں گھر کے اندر بھی اس انداز سے رہنا چاہیئے کہ جاہلیت کے دور کی طرح کا تبرّج نہ ہو۔ یہاں "تبرّج بالزینۃ" کا لفظ نہیں۔ صرف "تبرّج" ہے اور وہ بھی "تبرّج جاہلیت اولیٰ"۔ اہل تفسیر نے اسلام سے قبل کے دور کو جاہلیتِ اولیٰ قرار دیا ہے اور بعد از اسلام کے غیر اسلامی طریقوں کو جاہلیتِ ثانیہ بتایا ہے۔ یہاں تبرّج سے مراد ہمارے نزدیک صرف وہ بناؤ سنگھار ہے جو ایک شوہر والی عورت اپنے شوہر کے لیے عام طور کرتی ہے۔ یہ ساری عورتوں کے لیے جائز ہے لیکن رسول کی ازواج کو اس سے روک دیا گیا ہے۔ حضورؐ نے اپنی بیٹیوں کے لیے بھی یہ باتیں پسند نہیں فرمائیں۔ جناب فاطمہ کے پاس سونے کی زنجیر دیکھی تو فرمایا: کیا

تمہیں یہ پسند ہے کہ لوگ یہ طعنہ دیں کہ نبی کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے؟

(ایغرک ان یقول الناس ابنۃ رسول اللہ وفی یدھا سلسلۃ من نار؟)

دیکھیے سونے کا ایسا کوئی زیور پہننا عام عورتوں کے لیے روا ہے لیکن نبی کے گھر والوں کے لیے یہ درست نہیں بلکہ یہ گویا آگ کی زنجیر ہے۔ جب دختر کے لیے یہ انداز ہے تو امّت کی ماؤں کے لیے یہ کب زیبا ہو سکتا ہے کہ وہ عام عورتوں کی طرح بناؤ سنگھار کیا کریں؟ بلکہ ازواج مطہرات کے لیے تو ـــــ جن کو لستن کاحد من النساء (تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو) کہا گیا ـــــ کچھ مزید پابندیاں ہیں۔ عام عورتیں اگر بیوہ ہو جائیں تو صرف دوران عدّت میں بناؤ سنگھار ممنوع۔ مگر ازواج مطہرات کے لیے تو عدّت کے بعد بھی یہ روا نہیں کیونکہ ان کا کوئی عقد ثانی نہیں ہو سکتا۔ نیز ان ماؤں کو تو امّت کے لیے تربیت کنندہ بنایا گیا ہے۔ لہٰذا بناؤ سنگھار میں وقت ضائع کرنے کی بجائے یہ پروگرام دیا گیا ہے کہ: (واقمن الصلوٰۃ واٰتین الزکوٰۃ واطعن اللہ ورسولہ ط انما یرید اللہ لیذھب عنکم[1] الرجس اھل البیت ویطھرکم[2] تطھیرا۔ واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من اٰیٰت اللہ والحکمۃ .... (تم صلوٰۃ قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ ورسول کی اطاعت کرو۔ اے نبی کے گھر والو خدا چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی کو دور کر دے اور پوری طرح پاک صاف کر دے۔ اور تم اپنے گھروں میں تلاوت کی جانے والی آیاتِ الٰہی اور حکمتِ دین کے ذکر سے رطب اللسان رہو)

ان بڑی ذمے داریوں کی سپردگی کے بعد لازماً تبرّج (بناؤ سنگھار) سے رک جانا چاہیئے۔ ان کو نبی کی زندگی میں اور نبی کے بعد بھی ماؤں کی طرح رہنا چاہیئے۔ ان کی زندگی کو قناعت، سادگی، وقار، تعلیم دین اور دختران امت کی تربیت کے لیے نمونۂ عمل ہونا چاہیئے نہ کہ تبرّج کا شوقین۔

تفسیروں سے جاہلیت اولیٰ کے تبرّج کا صاف پتہ نہیں چلتا۔ سیدھی بات جو سمجھ میں آتی ہے یہ ہے کہ ہمیشہ ہی یہ بات فرض کر لی گئی ہے کہ جو آدمی جتنا بڑا سردار ہو اسی قدر شان وشوکت سے اس کی بیوی کو بھی رہنا چاہیئے۔ یہ مرض جاہلیت اولیٰ میں بھی تھا اور جاہلیت ثانیہ میں بھی آج تک ہے۔ یعنی سردار کی بیوی کا

(۱و۲) یہاں یہ نحوی مغالطہ نہ ہونا چاہیئے کہ جب پورے رکوع میں ہر جگہ ازواج مطہرات کے لیے جمع مؤنث کے صیغے آئے ہیں تو یہاں جمع مذکر "کم" کا صیغہ کیوں آیا۔ لفظ اھل سے جسے بھی مخاطب کیا جائے گا وہ واحد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، مذکر ہو، مؤنث ہو۔ ہر حال میں لفظ اھل کے لیے جمع مذکر ہی کا صیغہ آئے گا۔ سارے قرآن بلکہ سارے کلام عرب میں اس کے خلاف کوئی نظیر نہیں۔ بلکہ بعض اوقات مؤنث مخاطب کے لیے بلا لفظ اہل بھی جمع مذکر کا صیغہ آتا ہے۔

لباس سب سے قیمتی، بھڑکیلا اور نئے سے نئے فیشن کا ہو۔ قیمتی زیوروں سے لدی ہو۔ آگے پیچھے خدام اور خادمائیں ہوں۔ شاندار سواریاں ہوں۔ گھر اور گھر کا اثاثہ بھی قیمتی اور نرالا ہو۔ وغیرہ وغیرہ اسی کو آغاز رکوع میں زینت کہا گیا ہے اور یہی جذبہ جاہلیت اولیٰ ہے۔ اس کے متعلق شروع رکوع ہی میں ازواج رسول کو یوں خبردار کر دیا گیا ہے کہ:

اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم اونیٰ زندگی اور اس کی زینت کی خواہشمند ہو تو آؤ میں تمہیں یہ سب کچھ دے کر شائستگی سے الگ کر دوں۔ اور اگر تم اللہ، رسول اور دار آخرت کو پسند کرتی ہو تو تم میں سے محسنات کے لیے خدا نے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

جن ازواج مطہرات کے لیے بدی کی دوگنی سزا اور نیکی کے عوض دوگنا اجر رکھا گیا ہو (جس کا اسی رکوع میں ذکر ہے) اس کے لیے یہ کب روا ہو سکتا ہے کہ اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، طاعت خدا اور رسول، ذکر آیات وحکمت کے احکام سے تغافل کر کے اپنا وقت تبرج یعنی بناؤ سنگھار اور اظہار شان وشوکت میں ضائع کر کے گھٹیا نمونۂ عمل پیش کریں۔ اور وہ بھی جاہلیت اولیٰ کے اس تصور کے مطابق کہ ہم چونکہ سب سے بڑے انسان کی بیویاں ہیں لہذا ہمیں سب عورتوں سے زیادہ شان سے رہنا چاہیئے۔ یہی تصور دراصل جاہلیت اولیٰ کا تصور ہے اور اسی کو ختم کر کے انہیں نئی اسلامی قدریں عطا کی گئی ہیں۔ یعنی ازواج النبی کے لیے زینت الحیٰوۃ الدنیا نہیں بلکہ روحانی آراستگی اور اخلاقی زیبائش ہے۔ یہی وہ مضمون ہے جسے ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ کی ممانعت میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کا تعلق گھر کے اندر کی زندگی سے ہے اور کسی قدر باہر سے بھی۔

(۲) دوسری آیت میں یہ حکم ہے کہ جب تم ان ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ مطلب یہ ہے کہ مواجہہ نہ ہو۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کا چہرہ بھی ڈھکا نہ رہتا تھا اور گھر کے اندر ان کے لیے بھی ابدائے زینت کے وہی احکام ہیں جو دوسری عورتوں کے لیے ہیں اور جن کا ذکر "پہلے حکم" میں ہے۔ یعنی فلاں فلاں کے سامنے گھر کے اندر عورتوں کا چہرہ، کفین اور قدمین کو کھلا رکھنا بالکل جائز ہے۔ غض بصر کو ذالک ازکی لھم کہا گیا ہے۔ اور یہاں پس پردہ کچھ چیز مانگنے کو ذالک اطھر لقلوبکم وقلوبھن فرمایا گیا ہے۔ یعنی اس طرز عمل سے عام مردوں اور ازواج مطہرات دونوں کے دلوں میں پاکیزگی قائم رہے گی۔

یہ حکم دیا تو گیا ہے صرف ازواج مطہرات کو لیکن یہ دوسری عورتوں کے لیے بھی آئیڈیل اور قابل تقلید

مثالی نمونہ ہے جس طرح اوپر آواز میں لوچ نہ پیدا کرنے کا حکم دیا تو گیا ہے ازواج مطہرات کو لیکن دوسری عورتوں کے لیے بھی لائق اقتدا آئیڈیل ہے۔

پانچواں حکم

یاایھا النبی قل لازواجک وبنٰتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھنّ ذالک ادنیٰ ان یعرفن فلا یوذین.... (۳۳: ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور اہل ایمان کی بیویوں سے کہہ دو کہ وہ گھونگٹ نکال لیا کریں یہ ان کے پہچان لیے جانے اور نہ چھیڑے جانے کے لیے زیادہ قریب کا راستہ ہے۔

اس حکم کے خاص نکات یہ ہیں:

(۱) ادنائے جلباب کے معنی ہیں گھونگھٹ ڈالنا۔ یہ معروف طریقہ ہے۔ اس سے عورت کی آنکھیں اور چہرے کا کچھ حصہ ڈھک جاتا ہے لیکن چلنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔

(۲) اس حکم میں ازواج رسول، بنات رسول اور عام عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے۔ سب کے لیے ایک ہی حکم ہے۔

(۳) اس کی مصلحت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی۔ اور وہ ایذا (چھیڑ خانی) سے محفوظ رہیں گی۔

(۴) یہ مصلحت ہی خود بتا رہی ہے کہ اس حکم کا تعلق گھر سے باہر نکلنے سے ہے۔ اوپر جتنے احکام بیان ہوئے ہیں ان کا تعلق اندرون خانہ سے تھا۔ اور ان میں جابجا ازواج النبی اور دوسری عورتوں میں فرق رکھا گیا ہے۔ لیکن یہاں ساری عورتوں کے لیے ایک ہی حکم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گھر کے اندر جب عورتیں رہیں تو فلاں فلاں کے سامنے اپنے چہرے، کفین اور قدمین کو کھلا رکھ سکتی ہیں۔ اور جب باہر جائیں تو گھونگٹ نکال لیں۔ گھر کے اندر آنے جانے والے تو پہچانتے ہی ہیں اس لیے گھر کے اندر پہچانے جانے کے لیے گھونگٹ نکالنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بلکہ گھونگٹ تو پہچانے جانے میں اور رکاوٹ ہے۔ یہاں پہچانے جانے کا مطلب صرف یہ ہے کہ باہر کے لوگ دیکھ کر جان لیں کہ یہ مسلمان شریف زادیاں ہیں۔ اس طرح ان کو چھیڑا نہ جائے گا۔

(۵) اس حکم کے مواقع گھر کے اندر بھی پیش آسکتے ہیں۔ وہ یوں کہ جن لوگوں کا ذکر حکم اوّل میں ہے ان کے علاوہ کسی اور کو کسی ضرورت سے آنا پڑے تو عورت کو گھر کے اندر بھی گھونگٹ نکال لینا چاہیئے۔ کیونکہ فتنے یہاں بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن در اصل اس حکم کا تعلق اندرون خانہ سے نہیں بلکہ بیرون خانہ سے ہے۔ ہزار ضرورتیں

ایسی پیش آسکتی ہیں جن کے لیے عورتوں کو گھر سے باہر نکلنا پڑے۔ خرید و فروخت کے لیے، تعزیت و عیادت کے لیے۔ تفریح اور ہوا خوری کے لیے۔ تعلیم و تعلم کے لیے۔ کھیتی باڑی کے لیے۔ تبلیغ کے لیے۔ جنگی خدمات کے لیے۔ سب کے لیے عورتوں کو باہر نکلنا پڑتا ہے۔ عہد نبوی سے پہلے، عہد نبوی کے دوران میں اور عہد نبوی کے بعد بھی یہ ضرورتیں پیش آتی رہیں اور آتی رہیں گی۔ اور عورتیں ان تمام ضرورتوں کے لیے ہمیشہ باہر نکلتی رہیں اور نکلتی رہیں گی۔ ایسے ہی مواقع کے لیے یہ حکم ہے کہ گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔

(۶) گھونگھٹ ڈالنے کی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے وہ پہچان لی جائیں گی اور انہیں چھیڑا نہ جائے گا۔ جس وقت یہ احکام نازل ہوئے اس وقت عرب کی کسی قوم کی عورتیں اس طرح کے حجاب سے واقف نہ تھیں۔ مسلمان عورتیں بھی عام طور پر دوسری عورتوں کی طرح بے جلباب (گھونگھٹ نکالے بغیر ہی) باہر آتی جاتی تھیں۔ ان میں بعض اپنی فطری شرم و حیا کی وجہ سے چہرہ ڈھانپ بھی لیتی تھیں۔ مسلمان سوسائٹی کے کسی فرد سے تو یہ بھی توقع نہ ہو سکتی تھی کہ سر راہ کسی غیر قوم کی عورت کو چھیڑے۔ چہ جائیکہ کسی مسلمان عورت کو چھیڑنے کی ہمت کرے۔ لیکن یہود یہ حرکتیں کرنے کے عادی تھے۔ چنانچہ غزوہ بنی قینقاع کی بنیاد ہی یہی چھیڑ خانی تھی۔ انہوں نے سر بازار ایک مسلمان عورت کو چھیڑا۔ حالانکہ اس کا چہرہ کھلا نہ تھا۔ اس سے ایک مسلمان مشتعل نہ ہوا اور چھیڑنے والے کو قتل کر دیا اور یہودیوں نے اس مسلمان قاتل کو قتل کر دیا۔ اور اس طرح صورت جنگ پیدا ہو گئی۔ (رواہ ابن ہشام)، یہ شوال سنہ ہجری کا واقعہ ہے۔ اور آیت حجاب اس کے بعد نازل ہوئی ہے۔

بالکل ظاہر ہے کہ یہ ادنائے جلباب (گھونگھٹ ڈالنے) کا حکم صرف ایک قومی ضرورت کے لیے تھا تاکہ مسلمان عورت دوسری قوم کی عورتوں سے ممتاز ہو جائے اور بدنیت غیر مسلم یہ سمجھ لے کہ اس مسلمان عورت کو چھیڑنا پوری مسلمان قوم کے لیے جنگ کا چیلنج ہے۔ پس اگر ادنائے جلباب کی بجائے کوئی اور علامت کسی دوسرے ملک یا دوسرے دور میں متعین کر لی جائے تو وہ ادنائے جلباب کی قائم مقام ہو سکتی ہے۔

(۷) حجاب کے یہ تمام احکام دراصل ایک ایسی منزل کی طرف لے جانے کے لیے ہیں جہاں پہنچ کر ادنائے جلباب وغیرہ کی قدریں ختم ہو جاتی ہیں۔ اسلام ان احکام سے پوری سوسائٹی میں ایک ایسا پرامن اور پرہیزگارانہ ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے کہ بقول اے حدیث نبوی ایک عورت قادسیہ سے بارادۂ حج تنہا روانہ ہو اور اسے راستے میں کوئی لوٹنے یا چھیڑنے والا نہ ملے۔ ہر چور محافظ، ہر ڈاکو نگہبان اور ہر بدنیت متقی ہو جائے۔ جہاں یہ پاکیزہ ماحول نہیں قائم ہوتا وہاں ان احکام کے ساتھ محافظت کے کچھ اور احکام بھی ایجاد کر لینا روا ہے اور جہاں یہ خطرات دور ہو جائیں وہاں ان احکام کی گرفت فقہی طور پر بھی ڈھیلی ہو جائے گی۔

پہلے حکم کا خلاصہ

یہ تھے پردے کے قرآنی احکام اور ان کے ضروری نکات۔ ہم یہاں مضمون کو ذہن نشین کرنے کے لیے ان سب کا خلاصہ لکھتے ہیں۔

(۱) بنیادی پردہ غض بصر ہے
(۲) ضرورت کے لیے غض بصر کو ترک کیا جا سکتا ہے۔
(۳) فروج سے مراد تمام شرمگاہوں کی محافظت ہے۔
(۴) غض بصر اور حفظ فروج کا اصل مقصد سوسائٹی کی اخلاقی پاکیزگی اور روحانی بالیدگی ہے۔
(۵) عورت کو چہرہ ڈھانکنے کا حکم (گھر کے اندر) قرآن سے ثابت نہیں۔
(۶) گھر کے اندر چہرہ (نیز کفین و قدمین) کھلا رکھنے کی اجازت پر بھی ضرورۃً پابندی لگائی جا سکتی ہے۔
(۷) ابدائے زینت (چہرہ، کفین و قدمین کو کھلا رکھنے) کی اجازت گھر کے اندر چند مخصوص لوگوں کے سامنے ہے۔
(۸) زینت عورت کا سارا جسم ہے۔
(۹) ابدائے زینت عورت کے لیے ممنوع ہے اور ما ظہر منھا سے مراد وہی چہرہ، کفین اور قدمین ہے جنھیں کھلا رکھنے کی اجازت ہے۔
(۱۰) ما ظہر منھا کھلا رکھنے کی اجازت کے ساتھ دوپٹے کو بُکّل مار کر رہنے کا بھی حکم ہے۔ کسی اور طرح بُکّل مارنے کا مقصد پورا ہو جائے تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔
(۱۱) عورت کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں اور ہر حالت کے لیے جدا احکام ہیں۔ یہ مذکورۂ بالا احکام صرف اندرونِ خانہ سے تعلق رکھتے ہیں جہاں مخصوص لوگوں کے آنے جانے کا سلسلہ لگا رہتا ہے۔
(۱۲) پاؤں مار کر چلنے کی ممانعت گھر کے اندر بھی ہے اور باہر بہ طریق اولیٰ ہے۔

دوسرے حکم کا خلاصہ

(۱) کچھ احکام ایسے ہیں جو تخلیئے کے لیے ہیں جبکہ بعض کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں زیردستوں اور نابالغ بچوں کو بھی اجازت لے کر اندر آنا چاہیئے۔
(۲) کپڑے اتارنے سے مراد عریانی نہیں۔
(۳) کپڑے اتارنے کے تین مواقع بتائے گئے ہیں۔ لیکن انفرادی طور پر اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

(۴) ان مواقع کے علاوہ بلا اجازت اندر آنے جانے کا سلسلہ لگا ہی رہتا ہے اس لیے ہر بار اجازت لینے کی دشواری سے بچایا گیا ہے۔

(۵) وضع ثیاب (کپڑے اتارنے) کے مواقع پر جب بچوں کے لیے اجازت لے کر اندر آنے کا حکم ہے تو بڑوں کے لیے تو بہ طریق اولیٰ یہ حکم ہوگا۔

(۶) ان اجازت لے کر آنے والے نابالغوں اور بالغوں کے لیے منکم یعنی مسلمان قوم سے ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ لیکن زیردست کے لیے یہ قید نہیں۔

(۷) یہاں ہر جگہ مذکر کے صیغے آئے ہیں۔ کیونکہ مردوں ہی کے واسطے سے یہ نظام خانہ قائم ہوتا ہے۔ مگر احکام عورتوں ہی کے لیے ہیں۔

تیسرے حکم کا خلاصہ

(۱) ناقابلِ التفات عورت کے لیے مذکورہ تین مواقع کے علاوہ بھی وضع ثیاب روا ہے بشرطیکہ تبرّج بالزینۃ نہ ہو۔

(۲) تبرّج بالزینۃ سے مراد کسی حصّہ جسم کی عریانی ہے۔ ابدائے زینت اور تبرّج بالزینۃ میں فرق ہے۔ ابدا سے مراد جسم کے نشیب و فراز کو ظاہر کرنا ہے اور تبرّج بالزینۃ کا مقصد کسی حصّۂ جسم کو عریاں یا نیم عریاں کرنا ہے۔

(۳) ناقابل التفات عورتوں کے لیے اس رخصت کے باوجود عزیمت پر عمل کرنا بہر حال بہتر ہے۔

(۴) علت بدل جانے سے بعض تکالیفِ شرعیہ میں ضروری حد تک کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے اور وہ متروک بھی ہو سکتی ہیں۔

چوتھے حکم کا خلاصہ

(۱) ازواج النبی امّت کی مائیں ہیں۔ انہیں آئیڈیل بننا ہے اس لیے بعض احکام ان کے لیے عام امّتی عورتوں سے کچھ زیادہ ہیں۔

(۲) ان کو اپنی آواز میں ماؤں کا سا لہجہ رکھنا چاہیئے۔

(۳) انہیں گھر کے اندر مادرانہ وقار کے ساتھ قرار سے رہنا چاہیئے لیکن ضرورۃً وہ باہر بھی نکل سکتی ہیں۔

(۴) گھر کے اندر بھی اور باہر بھی تبرّج جاہلیتِ اولیٰ ان کے لیے ممنوع ہے۔

(۵) "تبرّج جاہلیت اولیٰ" کے معنی ٹھاٹ باٹ کے ہیں جو قبل از اسلام (اور بعد میں بھی) وہ عورتیں

اپنے لیے ضروری سمجھتی تھیں جو کسی بڑے آدمی کی بیوی ہوں۔ ازواج رسول کے لیے اسے ممنوع قرار دے کر ان کو زندگی کا جو پروگرام دیا گیا ہے وہ ہے اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، طاعت خدا و رسول، ذکر آیات و حکمت، قناعت، سادگی، وقار، تعلیم دین، وختران امت کی تربیت وغیرہ۔

(۶) ازواج مطہرات سے کوئی چیز طلب کرنے کے لیے پس پردہ سے مانگنے کا حکم ہے۔ ان کے لیے ابدائے زینت وغیرہ کے وہی احکام ہیں جو عام عورتوں کے لیے ہیں۔ مقصد مردوں کے اور ان کے قلوب کو پاکیزہ رکھنا ہے۔

پانچویں حکم کا خلاصہ

(۱) ادنائے جلباب کے معنی ہیں گھونگھٹ نکالنا جو ایک معروف طریقہ ہے۔

(۲) اس میں ازواج مطہرات اور عام امتی عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے۔

(۳) اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ وہ پہچان لی جائیں (کہ یہ مسلمان عورت ہے) اور انہیں کوئی چھیڑ نہ سکے۔

(۴) یہ حکم ان تمام عورتوں کے لیے ہے جو کسی ضرورت سے باہر نکلیں۔

(۵) اس حکم کا اصل تعلق بیرون خانہ سے ہے لیکن کسی وقت درون خانہ بھی اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔

(۶) یہ دراصل ایک قومی ضرورت ہے تاکہ غیر مسلم کسی مسلمان عورت کو چھیڑتے وقت یہ خوب سمجھ لے کہ یہ حرکت تمام مسلمان قوم سے جنگ مول لینے کے مترادف ہے۔ ادنائے جلباب اپنے بعض تقاضوں سے دوسری علامات میں بھی تبدیل ہو سکتا ہے۔

(۷) احکام حجاب صرف ایک طریقہ ہے پُرامن وصلاح باحیا اور باتقویٰ معاشرہ و ماحول پیدا کرنے کا اگر یہ ماحول کسی معاشرے میں پیدا ہو جائے تو یہ طریقے بدل سکتے ہیں اور اگر ماحول ہی پُرخطر ہو تو خطرات کے مطابق احکام میں شدت اور اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔

دوسرا سوال

یہ پہلے سوال کا جواب تھا یعنی پردے کی اسلامی حدود کیا ہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ پردہ کن عورتوں کے لیے ہے؟ اس سوال کا جواب بھی اسی کے بین السطور میں موجود ہے۔ یعنی پردہ انہی عورتوں کے لیے ہے جن سے یا جن کو خطرات لاحق ہوں۔ خطرہ جس شدت کا ہو گا حجاب کا حکم بھی اتنی ہی شدت اختیار کرے گا اور خطرے میں جتنی خفت ہو گی حکم کی گرفت بھی اتنی ہی خفیف ہو جائے گی۔ یعنی اگر خطرہ ان محرموں سے بھی ہو جن

سے پردہ نہیں تو وہاں پردہ کرا دینا چاہیئے۔ سوتیلا فرزند، بھتیجا، بھانجا، زیر دست، بہن کی زندگی میں بہنوئی، شوہر کی زندگی میں دیور یا جیٹھ۔ وغیرہ وہ محرم ہیں جن سے نکاح جائز نہیں۔ لیکن اگر نیتوں میں فتور پیدا ہو تو ان سے بھی حجاب کرنا چاہیئے۔ یہ قرآنی تعلیم کے خلاف نہیں بلکہ عین منشائے قرآن اس سے پورا ہوتا ہے اور ٹھیک اسی طرح اگر کسی نامحرم سے کوئی خطرہ نہیں خواہ شیخوخت کی وجہ سے یا زیر اثر دخوف زدہ ہونے کی وجہ سے یا اعتماد کلی ہونے کی وجہ سے یا کسی اور قابل ذکر سبب سے —— تو اس سے پردہ ضروری نہیں۔ اسی طرح اگر گھر سے باہر کا ماحول پاکیزہ ہے۔ بھیڑ سے جانے کا اندیشہ نہیں —— خواہ اخلاقی رجحان کی وجہ سے یا عدیم الفرصتی اور مصروفیت کی وجہ سے یا قانونی گرفت کے خوف سے یا کسی اور سبب سے —— تو ادنائے جلباب دگھونگھٹ ڈالنا بھی کوئی ضروری چیز نہیں۔ جس طرح جوان وجمیل عورت کے احکام حجاب اس کے ناقابل التفات ہونے کے بعد بدل جاتے ہیں اور عزیمت رخصت میں تبدیل ہو جاتی ہے اسی طرح گھر کے اندر اور باہر کے تمام احکام حجاب بھی سبب وعلت بدل جانے سے یا دوسرے ذرائع سے وہی مقصد حاصل ہونے سے بدل جائیں گے۔ یہ کہا جا سکتا ہے باہر بلا گھونگھٹ نکلنے سے دیکھنے والوں میں ہیجان پیدا ہوتا ہے لیکن اگر یہی ہے تو بے شمار "امارد" کو بھی ادنائے جلباب کرنا چاہیئے یا گھروں میں بٹھا دینا چاہیئے خصوصاً ان ممالک میں جہاں امرد پرستی کی بہتات ہے۔

تیسرے سوال کا جواب

تیسرا سوال یہ ہے کہ ہمارا موجودہ پردہ اسلامی پردے سے کہاں تک مطابقت رکھتا ہے؟ اس کے جواب میں ہم اسی قدر عرض کر سکتے ہیں کہ ہمارے موجودہ پردے کی شدّت اور خفّت دونوں ہی غیر اسلامی ہیں۔ ایک طرف نیم عریانی ہے جہاں آنکھوں میں حیا نہیں ہوتی۔ گفتگو میں کوئی شرم نہیں ہوتی۔ نخرے اور بناؤ سنگھار کا انداز ایسا ہوتا ہے جو ہمارے ماحول کے بالکل مطابق نہیں۔ بلکہ ہر للچائی ہوئی نگاہ کو دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔ اس کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔ بل الانسان علی نفسہٖ بصیرۃ لیکن یہ سب ردِّ عمل ہے اس شدید قسم کے غیر اسلامی پردے کا جو کسی ضرورت سے کبھی اختیار کیا گیا ہوگا۔ برقعوں کا کوئی ذکر قرآن و حدیث میں نہیں ملتا۔ عورتوں کو محض ولادت کی مشین یا لونڈی بنا کر بند کر چھوڑنے اور بیرونی زندگی کے تمام مسائل ولطائف سے محروم کر دینے کا بھی کوئی ثبوت تعلیماتِ اسلام میں موجود نہیں۔ اسلامی زندگی سے ہماری موجودہ رسم پردہ کو کوئی مطابقت نہیں۔

پردے کی شدّت کا ایک سچا واقعہ سن لیجئے۔ ریاست کپورتھلہ کی ایک تحصیل میں ایک پیر صاحب رہتے

تھے۔ ان کے ہاں اتنا سخت پردہ تھا کہ کوئی بچہ تو درکنار کوئی حاملہ عورت بھی اندر نہیں جا سکتی تھی کہ شاید اس کے شکم میں کوئی اولاد نرینہ نہ ہو۔ گویا صرف نومولود بچے ہی سے نہیں بلکہ بچۂ شکم سے بھی پردہ تھا اور وہ بھی اس شبہے کی وجہ سے کہ شاید بچۂ شکم نرینہ نہ ہو۔ بعض جگہ یہ بھی سننے میں آیا ہے زنانے مکانوں میں اگر مرغیاں پالی جائیں تو وہاں مرغا نہیں رکھا جاتا کیونکہ وہ نر ہوتا ہے۔ اور پردہ نر جانوروں سے بھی ضروری ہوتا ہے۔ جب پردے کی شدت یہاں تک پہنچ جائے تو اس کا ردِ عمل کیا ہوگا؟ وہی غلط شئے کا غلط ردِ عمل۔

یہاں آگے چلنے سے پہلے ایک آیت پر بھی غور کرتے چلیئے۔ ارشاد ہے:

والتی یاتین الفاحشۃ من نساء کم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم۔ فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت حتی یتوفھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلا ۰

تم میں سے جو عورتیں خاص بے حیائی (مساحقت) کی مرتکب ہوں تو ان کے خلاف چار گواہ لاؤ۔ پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند کر رکھو تا آنکہ انہیں موت ختم کر دے یا ان کے لیے خدا کوئی اور سبیل پیدا فرما دے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ گھروں میں بند کر رکھنے اور بیرونی دنیا سے محروم کر دینے کی سزا کس کے لیے ہے؟ بے حیائی (خلاف وضع فطری) کام کرنے والیوں کے لیے۔ اور ہمارے معاشرے نے یہ سزا کس کے لیے مخصوص کر رکھی؟ مجسمۂ زہد و تقویٰ عورتوں کے لیے۔ وہ اسی حالتِ قید میں مر جاتی ہیں۔ حتیٰ یتوفھن الموت ان کی طرف سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ باۓ ذنبٍ قتلت؟

چوتھے سوال کا جواب

چوتھا سوال یہ ہے کہ ہمارے موجودہ پردے سے معاشرے میں کیا کیا خامیاں پیدا ہو رہی ہیں؟ اس سوال کا جواب خود ہمارے معاشرے کی عورتیں ہیں۔ جن کے جسمانی، ذہنی، علمی، عملی، مزاجی، انتظامی، غرض ہر قسم کا تنزل و انحطاط انتہائی پستی میں جا چکا ہے۔ مردوں نے انہیں سلائی کی مشین کی طرح تولید کی مشین بنا رکھا ہے۔ یہ سب مردِ مسندِ درس اور منبروں پر طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ کی شرح بیان کرتے ہیں لیکن اپنی عورتوں کو اس لیے جاہل رکھتے ہیں کہ حصولِ علم کے لیے انہیں باہر بھی نکلنا پڑے گا۔ پھر باہر مضحکہ خیز قسم کے "خیمۂ سیار" کو بھی پسند نہیں کرتے اور بغیر برقعے کے نکلنا بھی گوارا نہیں۔ اس مشکل کا حل یہی ہو سکتا تھا کہ حصولِ علم پر وعظ تو ضرور کہا جائے لیکن ساتھ ہی خود ساختہ طرزِ پردہ پر اتنا

زور دیا جائے کہ عورتوں کے لیے حصولِ علم پر پردے کو ترجیح حاصل ہو جائے۔ اور ان کا باہر نکلنا بند ہو جائے۔ یہ بھی حدیث ہے کہ اطلبوا العلم لوکان بالصین (چین میں بھی علم حاصل ہو تو وہاں جاؤ)۔ اس کے لیے بھی باہر ہی نکلنا پڑتا ہے۔ اس دشواری کا حل یہ نکلا کہ عورتوں کے لیے صرف اتنا علم کافی ہے کہ وہ نماز روزے اور حیض و نفاس کے مسائل سے واقف ہو جائیں۔ اور یہ تعلیم انہیں گھر پر مل ہی جاتی ہے۔ باقی سارے علوم و فنون مردوں کے لیے مخصوص ہیں۔

یہاں فضائل علم پر کوئی مفصل گفتگو مقصود نہیں۔ عرض یہ کرنا ہے کہ تحصیلِ علم میں زن و مرد کی کوئی تفریق نہیں رکھی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض علوم سے مرد زیادہ بہتر کام لے سکتے ہیں اور بعض سے عورتیں۔ لیکن عام اصول یہی ہے کہ ہر علم و فن کا حصول دونوں کا یکساں حق اور دونوں کا ایک جیسا فریضہ ہے آج یہ پوری طرح واضح ہو چکا ہے کہ عورتیں محض نرسنگ اور ٹائپنگ ہی کا کام نہیں کر سکتیں بلکہ وہ بہترین پائلٹ بن سکتی ہیں۔ اعلیٰ ڈاکٹر اور سرجن بن سکتی ہیں۔ جاسوسی کے بغیر آج کوئی حکومت نہیں چل سکتی اور اب یہ فریضہ عورتوں سے بہتر کوئی نہیں انجام دے سکتا۔ رائفل ٹریننگ میں بھی عورتوں کے کمالات اب راز نہیں رہے۔ اعلیٰ درجے کی پروفیسر، بیرسٹر، جج، پرنسپل، مصنف، شاعر، ادیب غرض سب کچھ بننے کی صلاحیتیں عورتوں میں اسی طرح موجود ہیں جس طرح مردوں میں (امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت جج بھی بن سکتی ہے)۔ وہ ہر طرح خودکفیل بن سکتی ہیں۔ پھر سوال یہ ہے کہ آخر کس اسلامی تعلیم کی رو سے ہمارے معاشرے نے اپنی نصف آبادی کو حصولِ علم و ہنر سے محروم کر کے انہیں بے کار گھروں میں بند کر رکھا ہے؟ ہم اپنے بزرگوں میں بعض ایسی عورتوں کو جانتے ہیں جو قرآن سے لے کر اخبار تک پڑھ لیا کرتی تھیں۔ لیکن آخر عمر تک لکھنے کے لیے قلم ہاتھ میں نہ لیا۔ ان کے ذہن پر یہ ہوا بیٹھا دیا گیا تھا کہ عورت کو لکھنا نہیں سکھانا چاہیئے کیونکہ معلوم نہیں وہ کن کن محرم و نامحرم مردوں کو خطوط لکھنے لگے گی۔ ہمارے بعض اہل علم خاندانی منصوبہ بندی کو باوجود اس کے کہ از روئے کتاب و سنت و تفقہ اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، الوأد الاصغر قرار دیتے ہیں لیکن عورتوں کی ذہنی و عملی صلاحیتوں کو زندہ درگور کر نا کیا بجائے خود الوأد الاکبر نہیں؟ ہم نے یہ کیوں سمجھ رکھا ہے کہ عورت کا صرف ایک ہی مصرف ہے۔ اسے دیکھ کر ہمارے ذہن میں یہ خیال کیوں نہیں پیدا ہوتا کہ یہ بھی بلند انسان ہے یا ہو سکتی ہے؟ ہم نے اسے اتنا کمزور کیوں سمجھ رکھا ہے — بلکہ بنا دیا ہے — کہ وہ گھر سے باہر نکلی اور کسی نے اسے اڑا لیا۔ اس کے اندر اخلاقی جرأت و قوت اور خودداری و خود حفاظتی کی صلاحیت کیوں مفقود ہو گئی ہے؟

کئی سال ہوئے ایک بار مری میں مال روڈ پر ایک مولانا قسم کے بزرگ ملے۔ علیک سلیک کے بعد ہی انہوں نے کچھ غیظ و غضب کے لہجے میں مجھ سے فرمایا: دیکھیے اس بے حیا کو کس بے تکلفی سے ہنس ہنس کر غیر مردوں سے بات کر رہی ہے! میں نے عرض کیا: مولانا! آپ اس وقت کئی گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ توبہ استغفار فرمائیے۔ اولاً تو آپ یہ بتائیے کہ آپ نے اتنے ذوق شوق اور غور و خوض سے اس "بے حیا" کی طرف دیکھا ہی کیوں؟ دوسرے یہ فرمائیے کہ آپ نے یہ بدگمانی کیوں کی کہ وہ غیر مردوں سے بات کر رہی ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ ان میں ایک اس کا شوہر اور باقی اس کے بھائی یا قریب ترین محارم ہوں؟ تیسرے یہ کہ آپ کے دل میں جو یہ وسوسہ پیدا ہو رہا ہے کہ وہ "بے حیا" ضرور کچھ "آشنائی" کی باتیں کر رہی ہو گی یہ بجائے خود کیا سوءِ ظن نہیں؟ آپ اگر معاف فرمائیں تو میں آپ کی نفسیات کے متعلق کچھ عرض کروں؟ کہنے لگے۔ فرمائیے۔ میں نے عرض کیا: مولانا آپ بُرا نہ مانیں۔ میرا آپ کے بارے میں اس وقت کا نفسیاتی تجزیہ یہ ہے کہ آپ کا یہ غصہ اس لیے نہیں کہ وہ بے حیا ان مردوں سے کیوں باتیں کر رہی ہے۔ بلکہ یہ جلال صرف اس لیے ہے کہ وہ کم بخت آپ سے کیوں نہیں باتیں کرتی۔ آپ ذرا استغفر اللہ کو پیش نظر رکھیے۔ میرے آخری جملے پر مولانا نے ایک ایسا فرمائشی قہقہہ لگایا جس میں تائید اور تردید کے دونوں پہلو جھلک رہے تھے۔ اس واقعے کے ذکر سے ہمارا مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ عورت ذات کے متعلق خود ہمارے اذہان میں بڑے گھٹیا اور پست خیالات ہر وقت چکر لگایا کرتے ہیں۔ اور پردے یا تعلیم نسواں وغیرہ کے تمام مسائل کو ہم اسی غلط بین عینک سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

چند دن پہلے کا ایک اور دلچسپ واقعہ بھی سن لیجئے۔ ایک مشہور گدی کی پیرانی صاحبہ نے ایک عزیز پر طنز کرتے ہوئے فرمایا کہ: "تمہاری فلاں عزیزہ کے متعلق سنا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے پاس لندن گئی ہے۔ وہاں تو وہ برقعے کے بغیر ہی پھرتی ہو گی اور غیر مردوں سے ہاتھ بھی ملاتی ہو گی۔" اس شخص نے کہا کہ: "آپ کو یہ علم ہے کہ آپ کے گدی نشین شوہر نامدار اپنے خلوت کدے میں کیا شغل فرمایا کرتے ہیں؟ پہلے ان سے دریافت کیجئے کہ یہ ہر روز نامحرم مریدنیوں سے برکت دینے کے لیے مصافحہ کیوں فرماتے ہیں اور ان سے اپنے ہاتھ پاؤں کیوں چُھواتے ہیں۔ بعض تو ہاتھ پاؤں اور سر دبواتے بھی ہیں۔ ان سے پہلے پوچھیئے کہ کس شریعت میں یہ لکھا ہے کہ لندن میں غیر مرد سے ہاتھ ملانا تو ناجائز ہے لیکن "متبرک میلوں ٹھیلوں" میں نامحرم اور بے پردہ عورتوں کا آکر ایک نامحرم پیر کے ہاتھ پاؤں چومنا اور دبانا بالکل جائز ہے؟ مجھے لندن میں اپنی عزیزہ کے متعلق کسی نامحرم سے ہاتھ ملانے کی کوئی اطلاع نہیں ملی ہے۔ لیکن گدی نشین صاحب کے متعلق آپ کو بھی علم

ہے اور مجھے بھی اور سارے جہان کو بھی - آپ انہیں رد کیئے اور میں اسے رد کرتا ہوں؟

عجیب منطق ہے کہ تقدس کے پردے میں سب کچھ جائز ہو جاتا ہے اور اگر وہی کام کوئی ایسا شخص کرے جو مصنوعی تقدس مآبی سے خالی ہو تو اس پر تکفیر و تفسیق کا خنجر چلنے لگتا ہے - جو کچھ جواب پیرانی کو دیا گیا ہے وہ ہے تو الزامی، اور ایک ناجائز بات سے دوسری ناجائز بات کا جواز نہیں پیدا ہوتا - لیکن اس سے اتنا ضرور واضح ہوتا ہے کہ نگاہ عموماً یک طرفہ پڑا کرتی ہے - ایک طرف حسن ظن ہوتا ہے اور دوسری جانب سوئے گماں۔

آج ہمیں ضرورت ہے کہ ہماری عورتیں نرس، ڈاکٹر، سرجن، پائلٹ، توپچی، پروفیسر، مخبر وغیرہ بنیں۔ اور یہ تقریباً ناممکن ہے کہ گھروں میں قید رہ کر یا ہر جگہ برقعے لاد کر ان علوم و فنون کو حاصل کر سکیں - انہیں مرہم پٹی کرنی ہے، آپریشن کرنا ہے - رائفل ٹریننگ لینی ہے - ہوا بازی اور بمباری کا ہنر سیکھنا ہے - مشین گن چلانی ہے طلبہ کو تعلیم دینی اور خود تعلیم گاہوں میں تعلیم حاصل کرنی ہے - غرض بیسیوں فرائض قومی ہیں جو انہیں انجام دینے ہیں - صرف ٹائپنگ یا فون آپریٹنگ سیکھنے پر اکتفا نہیں کرنا ہے - اب آپ یا تو یہ دعویٰ کیجئے کہ عورتوں کو کوئی علم و ہنر (جس کا ذکر کیا گیا) سیکھنے کی ضرورت ہی نہیں یا یہ بتائیے کہ عورتیں گھروں یا برقعوں میں بند ہو کر یہ دشوار کام کیونکر انجام دیں؟ ممکن ہے کوئی کہہ دے کہ فلاں فلاں عورتوں نے برقعوں میں رہ کر ایم - اے پی - ایچ - ڈی کر لیا یا ڈاکٹرنی بن گئیں - لیکن اس کا اندازہ کرنا ہو تو کسی میڈیکل کالج میں جا کر اندازہ کیجئے کہ وہاں کی کتنی طالبات برقع پوش ہیں اور کتنی بے برقع - یا ملک میں ایم - اے - پی - ایچ - ڈی کرنے والی عورتوں میں کتنی بے برقع ہیں اور کتنی برقع پوش - اور خود برقع پوشوں سے دریافت کیجئے کہ انہیں علم و ہنر سیکھنے میں کیا کیا مشکلیں پیش آئی ہیں؟ خود سفر ہی کو دیکھ لیجئے - پردے والی عورت کے لیے سفر کتنا دشوار ہے - اپنے رشتے داروں سے ملنے، عیادت و تعزیت کرنے، علم حاصل کرنے یا کچھ معاشی زندگی درست کرنے کے لیے عورت کو باہر جانا ہی پڑتا ہے اور کچھ تو نہیں سفر حج کے لیے تو ـــــ اگر صاحب استطاعت ہے ـــــ جانا ہی پڑے گا - ان تمام ضروری سفروں کو پیش نظر رکھیئے اور برقع لادنے والی کی دشواریوں کو بھی سامنے رکھیئے - اس کے بعد فیصلہ کر لیجئے کہ اسلامی پردہ کیا ہو سکتا ہے - آج ریلوں، جہازوں، طیاروں، بسوں پر برقعے کے ساتھ سفر کرنا دشواری سے خالی نہیں - اس کا حل یہ نکالا گیا ہے کہ عام طور پر ہماری عورتیں برقع تو اوڑھ لیتی ہیں لیکن چہرہ کھلا ہوتا ہے - ایسے برقعوں میں ہم بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے - کم از کم اس سے "ڈسٹ پروف" کا کام تو چل ہی جاتا ہے - اور ایک لحاظ سے یہ مسلمان سوسائٹی کے لیے ادنائے جلباب کا قائم مقام بھی ہو جاتا ہے - لیکن اختلاف ایسے برقعے سے ہے جس میں سر، چہرہ اور سارا جسم ہر آن لپٹا رہے

اس سے سفر میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں اور عورت ایک تماشا بن کر رہ جاتی ہے۔ ایسے سفروں میں جب کہ اور بھی بیسیوں مسافرین و مسافرات ساتھ ہوں کوئی ایسا خطرہ نہیں ہوتا جو منہ چھپانا ضروری ہو۔ اور حکم ۳ میں بتایا گیا ہے کہ اوڑھنے جلابیب اصلاً تو گھر سے باہر جانے والیوں کے لیے ہے دوسرے اوڑھنے جلابیب سے چہرہ مستور نہیں ہوتا تیسرے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ قومی شناخت ہو جائے اور انہیں چھیڑا نہ جائے۔ کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ سفر میں جو برقع ہوتا ہے اس سے یہ سارے مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں۔

اور حالتِ سفر ختم ہونے کے بعد فرض کیجیے ایک عورت انگلستان میں کوئی تعلیم حاصل کر رہی ہے تو اس کے لیے برقعے کی کیا کوئی ضرورت ہے؟ اس لیے کہ احکام پردہ کے تمام مقاصد وہاں یوں ہی اسے حاصل ہیں۔

برقعے پر ایک لطیفہ یاد آیا جو اتفاق سے ایک سچا واقعہ ہے۔ سابق پنجاب میں ایک صاحب اپنی نئی دلہن کو بیاہ کر گھر لیے جا رہے تھے۔ دولہا میاں تقریباً ہر اسٹیشن پر اتر کر بیوی کی مزاج پرسی یا ضرورت دریافت کرنے زنانے ڈبے کی طرف آتے تھے۔ وہ جب آتے تو دیکھتے کہ بیوی کی نقاب الٹی ہوئی ہے اور وہ مزے سے اسٹیشن کے تمام مسافروں وغیرہ کو دیکھ رہی ہے لیکن شوہر پر نظر پڑتے ہی وہ اپنی نقاب چہرے پر ڈال لیتی۔ دو چار بار شوہر نے یہ حرکت دیکھی اس کے بعد اس نے کہا: ذرا برقع لانا۔ بیوی پہلے تو جھجکی پھر برقع اتار کر دے دیا۔ شوہر نے وہیں اسٹیشن پر کھڑے کھڑے برقعے کو دیا سلائی دکھا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ بیوی نے کہا: ہیں ہیں یہ کیا کر رہے ہیں؟ شوہر نے کہا: یہ اس لیے کر رہا ہوں کہ تمہارا پردہ کسی مسافر سے نہیں۔ صرف مجھ سے ہے۔ لہٰذا ایسے برقعے کو نذرِ آتش ہی ہونا چاہیے جو غیروں سے پردہ اٹھا دے اور شوہر سے پردہ کرا دے۔

میں نے غالباً ۱۹۴۱ء میں مدراس میں بھی ایک دلچسپ چیز دیکھی کہ وہاں کی شریف زادیاں ڈاکٹروں سے پردہ نہیں کرتی تھیں اور حکیموں سے ان کا پردہ ہوتا تھا۔ غالباً اس لیے کہ حکیم اکثر ڈاڑھی والے ہوتے تھے۔ حکیموں سے پردے کی وجہ یا تو ان کی ڈاڑھی کا احترام ہو سکتا ہے یا کوئی خاص ذہنی خطرہ جو ڈاکٹروں سے نہ ہو۔

پانچویں سوال کا جواب

یہیں سے پانچویں سوال کا جواب بھی نکل آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے موجودہ پردے میں کہاں کہاں ترمیمات ہونی چاہئیں؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ خواہ گھر ہو یا باہر، اقامت ہو یا سفر، اپنا ملک ہو یا بیرونی ملک، محارم ہوں یا غیر محرم ہر جگہ کی سوشل ضرورت کے مطابق ہی پردے کی حدود قائم کرنی چاہئیں اگر واقعی خطرہ ہو تو محارم کے سامنے بھی نہ آنا چاہیے خواہ وہ سوتیلا فرزند۔ یا سوتیلا باپ یا کوئی اور رشتے دار

ہو۔ اور اگر ماحول پُرخطر نہیں تو ڈاکٹر، استاد، حکام مملکت، سوداگر، منتظم وغیرہ کسی کے سامنے چہرہ کھول کر آنے میں ہرج نہیں۔ اگر واقعی خطرہ ہے تو گھر سے باہر بھی نہیں نکلنے دینا چاہیئے لیکن اگر خطرات نہیں تو عورت کے لیے چہرہ کھول کر باہر آنے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی طرح اگر اپنی قوم یا ملک کا ماحول پُرازخطر ہے تو عورت کو اس سے پرہیز لازمی ہے اور اگر بیرون ملک یا غیر قوم ان خطرات سے خالی ہے تو عورت کے لیے وہاں کھلا چہرہ لے کر جانے میں کوئی حرج نہیں۔ پردے کے احکام کا مقصد صرف یہ ہے کہ پُرامن اور پاکیزہ ماحول ہو اور دل کے اندر تقویٰ وحیا جاگزیں ہو۔ پس زمان و مکان، ماحول، قوم اور ملک اور خود نفس کے تقاضوں کے مطابق ہی چلنا ہوگا۔ جہاں جس طرح کے تقاضے ہوں گے اسی کے مطابق حجاب کے احکام ہوں گے خواہ گھر کے اندر ہو یا باہر، راستے میں ہو یا منزل پر، اپنی قوم یا ملک میں ہو یا باہر دوسری قوم میں۔ جہاں محفوظیت، تقوے، حیا اور انسانیت کے تقاضے جس ڈھنگ سے پورے ہوں گے وہی اختیار کیے جائیں گے۔ ایک ہی طرح کے انداز واطوار ہر جگہ اور ہر موقعے پر نہیں چل سکتے۔ اور یہ منشائے شریعت بھی نہیں۔

چھٹے سوال کا جواب

چھٹا سوال یہ ہے کہ مختلف ممالک کی رعایت سے پردے کی حدود میں کیا اختلافات قابل قبول ہیں؟

اس سوال کا جواب کسی حد تک پانچویں سوال کے جواب میں موجود ہے۔ جس طرح اپنے ملک سے دوسرے ملک میں جاکر وہاں کے قوانین ملکی کی پابندی ضروری ہوتی ہے اسی طرح وہاں کے آداب معاشرت کی پابندی بھی ایک اخلاقی تقاضا ہے۔ البتہ یہ لحاظ رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ ممنوعاتِ شرعیہ کا ارتکاب نہ ہو۔ عصمت وحیا کے تقاضوں کو پورا کرنا ہر مسلمان عورت کے لیے لازمی ہے۔ یورپ میں بعض حصۂ جسم کی عریانی فیشن میں داخل ہے لیکن ایک مسلمان عورت کے لیے یہ بالکل روا نہیں اگرچہ اس عریانی سے مفاسد نہ پیدا ہوتے ہوں۔ لیکن وہاں چہرہ ڈھانپنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چہرہ کھلا رکھنے کے مفاسد وہاں موجود نہیں یہ مفاسد وہاں اتنے ہی ہیں جتنے یہاں چہرہ ڈھانکنے کے باوجود ہیں۔ لیکن اگر ہماری عورتیں کسی ایسے علاقے میں جاتی ہیں جہاں چہرہ چھپائے بغیر عورتوں کا باہر نکلنا معیوب ہے تو وہاں کے آداب معاشرہ کا تقاضا یہی ہونا چاہیئے کہ ہماری عورتیں بھی چہرہ چھپائے رکھیں بجز اس کے کہ کوئی شدید ضرورت پیش آجائے۔

کسی معاشرے کے آداب کے جائز آداب کے مطابق چلنا ایک ایسا اخلاقی تقاضا ہے جو بعض اوقات ایک اضطراری مجبوری کی سی شکل رکھتا ہے۔ کسی سوسائٹی میں معمولی باتوں پر نکو بننا کوئی قابل تعریف بات نہیں۔ یہی وہ مواقع ہیں جن کے لیے فقہ اسلامی کا "اصول تیسیر وتوسیع" وضع کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

ائمہ اربعہ کا ایک متفق علیہ فقہی اصول ہے۔ المشقۃ تجلب التیسیر (مشقت آسانی چاہتی ہے) امام شافعی فرماتے ہیں۔ اذا ضاق الامر اتسع یعنی جب کسی معاملے میں تنگی پیدا ہو جائے تو اس میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

یہ آسانی یا وسعت صرف جان کنی پیدا کرنے والے اضطرار ہی کے لیے نہیں بلکہ عام حاجت کے لیے بھی ہوتی ہے۔ فرض کیجئے ایک مریض کو کوئی مرض ہے جو اگرچہ جان لیوا نہیں لیکن باعث آزار ہے اور اس کے لیے اس کے کسی قابل ستر حصۂ جسم میں انجکشن یا دوا یا چیرا لگانے کی ضرورت ہے تو بقدر ضرورت اسے کھولا جاسکتا ہے خواہ معالج و مریض دونوں ہم جنس ہوں یا مختلف الجنس ہوں۔

اسی طرح کی بعض دشواریاں عورتوں کے لیے سفر میں، تعلیم و تعلم میں، جاسوسی میں، بیرونی ممالک میں اور بہت سے دوسرے ہنگامی حالات میں پیش آسکتی ہیں اور آتی رہتی ہیں۔ اور خاص سوسائٹیوں میں بھی پیش آسکتی ہیں۔ اس وقت اس موقعے کے جو تقاضے ہوں گے ان کے مطابق تنگی میں فراخی اور مشقت میں آسانی پیدا کر لی جائے گی۔ اور یہ عین فقہی اصول کے مطابق ہی تسلیم کیا جائے گا۔

چند قابل غور نظائر

اس موقعے پر نامناسب نہ ہوگا اگر عہد نبوی کی بھی کچھ نظیریں پیش کر دی جائیں۔ ان سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ عام حالات میں اور مخصوص حالتوں میں حجاب کا کیا انداز رہا ہے؟ نیز اس سے ہم بہ آسانی اپنے معاشرے کی رسم پردہ کا اس دور کے پردے سے مقابلہ بھی کر سکیں گے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) حضرت انسؓ غزوۂ احد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولقد رأیت عائشۃ وام سلیم وانھما لمشمرتان اری خدام سوقھما تنقلان القرب علی متونھما ثم تفرغانہ فی افواہ القوم ثم ترجعان فتملآنھا ثم تفرغانہ فی افواھھم (بخاری کتاب)

میں نے عائشہ اور ام سلیم کو دیکھا کہ دونوں بڑی تیز رفتاری سے کام کر رہی ہیں۔ ان کی پنڈلیاں میری نگاہوں کے سامنے تھیں۔ دونوں اپنی اپنی پشت پر مشکیزے اٹھائے اِدھر سے اُدھر جاتیں اور لوگوں کے منہ میں پانی ڈالتیں اور پھر واپس آکر مشکیزے پُر کرتیں اور لوگوں کے منہ میں پانی ڈالتیں۔

(۲) غزوۂ احد ہی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے سہل ابن سعدؓ فرماتے ہیں:

کانت فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تغسلہ وعلیؓ یسکب الماء بالمجن فلما رأت

فاطمة ان الماء لایزید الدم الاکثرة اخذت قطعة من حصیر فاحرقتها والصقتها فاستمسك الدم

حضرت فاطمہؓ بنتِ رسولؐ حضورؐ کے زخموں کو دھو رہی تھیں اور حضرت علیؓ ڈھال سے پانی انڈیلتے جاتے تھے۔ جب فاطمہؓ نے دیکھا کہ دھونے سے خون اور بہتا ہی جاتا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا اسے کر جلایا اور اسے زخم پر رکھا جس سے خون بند ہو گیا۔

(۳) اسی موقعے پر فارع نامی قلعے (جس میں مسلمان عورتوں کو محفوظ کر دیا گیا تھا) کے گرد چند یہود آ گئے اور ایک نے دیوار پر چڑھ کر عورتوں کو دیکھا۔ حضرت صفیہؓ بنتِ عبدالمطلب نے ایک چوب لے کر اس زور سے اس کے سر پر ضرب لگائی کہ وہیں وہ ختم ہو گیا۔ پھر اس کا سر کاٹ کر قلعے سے باہر پھینک دیا۔ یہود سمجھے کہ یہاں بھی محافظ مرد موجود ہیں اور وہ سب وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ مفصل واقعہ طبرانی کی کبیر اور اوسط میں موجود ہے۔

(۴) ام عمارہ (نسیبہ بنتِ کعب مازنیہ) کہتی ہیں کہ میں میدانِ احد میں لوگوں کو پانی پلاتی پھرتی تھی۔ جب مسلمان بکھر گئے تو میں حضورؐ کے پاس آ گئی۔ اس وقت میں مصعبؓ بن عمیر کے پاس تھی۔ میں نے اپنا مشکیزہ پھینک کر تلوار سوت لی۔ کبھی تلوار چلاتی اور کبھی تیر کمان سے کام لیتی۔ ابن قمئہ کی ضرب سے ان کے کاندھے پر ایک گہرا زخم بھی آ گیا تھا جس میں تندرست ہونے کے بعد گڑھا ہو گیا تھا۔ ابن ہشام نے یہ روایت تفصیل سے نقل کی ہے ایک دوسری روایت کے مطابق حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں جس طرف بھی نظر اٹھا کر دیکھتا تھا ام عمارہ اسی طرف لڑتی ہوئی نظر آتی تھیں۔

(۵) ابن عباس نجدہ ابن عامر حروری کے چند سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

قد کان یغزو بهن فیداوین الجرحی ویحذین من الغنیمة (رواہ مسلم والوداؤد والترمذی عن نجدہ)

حضورؐ عورتوں کی معیت میں بھی جنگ فرماتے تھے۔ یہ عورتیں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور مالِ غنیمت میں ان کا بھی حصہ ہوتا تھا۔

(۶) ام عطیہ فرماتی ہیں:

غزوت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبع غزوات اخلفهم فی رحالهم فاصنع لهم الطعام واداوی الجرحی واقوم علی المرضی (رواہ مسلم عن ام عطیہ)

میں نے حضورؐ کے ساتھ سات جنگوں میں شرکت کی ہے۔ میں خیموں یا دوسرے ٹھکانوں میں قیام کرتی تھی۔ جہاں مجاہدوں کے لیے کھانا تیار کرتی تھی۔ زخمیوں کی مرہم پٹی اور مریضوں کی نگہداشت بھی کیا کرتی تھی۔

(۷) رُبیعؓ بن معوّذ کا بیان ہے:

لقد کنا نغزو مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لنسقی القوم ونخدمھم ونرد القتلیٰ والجرحیٰ الی المدینۃ۔

ہم عورتیں حضورؐ کے ساتھ شریک غزوات ہوا کرتی تھیں تاکہ پیاسوں کو پانی پلائیں، ان کی خدمت کریں۔ مقتولوں اور زخمیوں کو اٹھا کر شہر میں لائیں۔

(۸) جناب رفیدہ نے اپنا خیمہ مسجد نبوی کے پاس ہی اس لیے نصب کرایا تھا کہ جو بیمار یا زخمی ہوں ان کی باقاعدہ تیمارداری اور مرہم پٹی کر سکیں (اسد الغابہ)

یہ سب روایتیں بتاتی ہیں کہ عہد نبوّت کی جنگوں میں عورتیں مردوں کو پانی پلاتی تھیں۔ ان کے لیے کھانا تیار کرتی تھیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی اور نرسنگ کا کام کرتی تھیں۔ زخمیوں اور مقتولوں کو اٹھا اٹھا کر لاتی تھیں اور ان تمام جنگی خدمات کے علاوہ جنگی مقابلہ بھی کرتی تھیں اور موقعے پر خولہ بنت ازدہ کی طرح فوج کی قیادت بھی کرتی تھیں جو اسلامی تاریخ کا ایک کھلا ہوا اور روشن باب ہے۔ پھر یہ عورتیں نبرد آزما مردوں کی طرح غنیمت کے حصّے بھی پاتی تھیں۔ اچھی طرح غیر جانبدارانہ غور و خوض کرنے کے بعد بتائیے کہ کیا عہد نبوّت میں ہماری طرح عورتوں کو گھروں میں بند رکھا جاتا تھا۔ اور کیا عورتیں یہ تمام خدمات اپنے چہرے ڈھانپ کر یا برقعے اوڑھ کر کیا کرتی تھیں۔ چہرہ تو چہرہ ہے وہاں عبد اللہ بن عباس کی روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ کی پنڈلیاں بھی نظر آرہی تھیں۔

یہ درست ہے کہ یہ جنگی مواقع ہیں جو ایک عارضی اور فوری ضرورت ہے۔ لیکن اس قسم کی ضرورتیں دوسرے مواقع زندگی پر بھی پیش آسکتی ہیں اور آتی رہتی ہیں خواہ سفر ہو یا حضر۔ جنگ ہو یا امن۔ کچھ اور روایات بھی ملاحظہ فرمائیے جن کا تعلق عام پُرامن زندگی سے ہے۔

(۱) ہم پہلے حکم میں بتا چکے ہیں کہ زیر دستوں (قیدیوں) سے ان کی مالکاؤں کا پردہ نہیں۔ نیز دوسرے حکم کے ذیل میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ طوافون علیکم بعضکم علیٰ بعض یعنی تمہیں ایک دوسرے کے سامنے بار بار آنا ہی پڑتا ہے۔ یہ مجبوری صرف گھروں کے اندر ہی نہیں باہر بھی ہو سکتی ہے۔ معلّم ہو یا کاروباری لین دین کرنے والا معالج ہو یا افسر۔ اس قسم کے لوگوں سے اگر باہر جا کر بار بار واسطہ پڑتا ہو تو یہ بھی اسی قسم کی مجبوری ہے۔ اور کسی مہذب ملک کی سوسائٹی میں جہاں شرافت دامن اپنے ملک سے زیادہ ہو اسی قسم کی سوشل مجبوری بھی ہو سکتی ہے۔ ان تمام مجبورانہ حدود کے مواقع کا فیصلہ خود ایک مسلمان عورت کر سکتی ہے۔

(۲) ایک بار حضورؐ کی خدمت میں ایک عورت آئی غالباً عبد اللہ بن عباسؓ جو ابھی کم سن تھے اس کی طرف بار بار

غور سے دیکھنے لگے۔ حضورؐ نے ان کے سر کو پکڑ کر گھما دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی طرف گھور کر نہ دیکھو۔

(۳) حضرت علیؓ سے بھی ایک بار حضورؐ نے فرمایا کہ اچانک کسی عورت پر نظر پڑ جائے تو پہلی نظر معاف ہے لیکن پھر اسے دیکھنا روا نہیں۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے عورتوں کا چہرہ عام طور پر کھلا ہی رہتا تھا اور جیسا کہ ہم پہلے حکم ۵ کے حاشیے میں لکھ چکے ہیں ولو اعجبک حسنھن سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے۔ غرض پردے کے متعین حدود کا فیصلہ اپنے ماحول کے مطابق ایک مسلمان عورت کو کر لینا چاہیئے۔

مروجہ پردے کے نقصانات

مروجہ پردہ ہمارے معاشرے کے لیے نہایت نقصان رساں ثابت ہوا ہے اور اس کی ذمہ داری زیادہ تر مردوں پر ہے۔ مردوں کا یہ حال ہے کہ خود تو تفریحات کرتے ہیں، ہوا خوری کرتے ہیں، لطف صحبت حاصل کرتے ہیں اور اپنی صحت درست رکھنے کے سو جتن کرتے ہیں۔ لیکن عورتوں کے بارے میں یہ نظریہ ہے کہ وہ تنگ و تاریک گھروں میں بند رہیں۔ تازہ ہوا سے محروم رہیں۔ چولھے کے دھوئیں اور راکھ میں اٹی رہیں۔ بچوں کی غلاظت صاف کرنے، کپڑے دھونے اور برتن مانجھنے، بچوں کو کھلانے اور بہلانے میں لگی رہیں۔ اور مدقوق ہو جائیں تو یہ عین عدل و مساواتِ حقوق ہے۔ اس حق تلفی میں جو ذہنیت کام کرتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہ غریب مرتی ہے تو مرے۔ اس کی زندگی میں بھی تعدد ازدواج کا دروازہ کھلا ہے اور مرنے کے بعد تو اس میں کلام ہی نہیں۔ دوسرے الرجال قوامون علی النساء کی تفسیر ان کے نزدیک یہ ہے کہ مرد ہر طرح ان پر حاوی و جابر ہیں اس لیے یہ جو جی چاہے کریں ان سے کوئی باز پرس نہیں ہو سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مواقع پر خود عورت ظالم اور مرد مظلوم ہوتا ہے۔ اور ایسے موقعوں پر عورت کی پاسداری نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ہمارے معاشرے میں جو چیز بالعموم رائج ہے وہ یہی ہے کہ عورت بے دست و پا قیدی ہے اور مرد اس کا آزاد آقا۔

عورتوں کو گھروں میں قید رکھنے اور علم و ہنر سے محروم رکھنے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ ذہنی طور پر عورتیں مفلوج ہو گئی ہیں۔ ان کو کپڑے، زیور اور سنگھار کے سوا اور کوئی اونچی بات سوچنے کے قابل ہی نہیں رکھا گیا ہے۔ وہ دشمن کے مقابلے کا تصور ہی نہیں کر سکتیں۔ خطرات کے وقت گھر سے باہر جانے کا خیال نہیں لا سکتیں اور بے ماگی کو دور کرنے کے لیے کوئی کام کرنے کو معصیت سمجھتی ہیں۔ اور بچوں کی اعلیٰ تربیت کرنے کی صلاحیتوں سے بے بہرہ رہتی ہیں۔ یہ محض خیالی باتیں نہیں۔ واقعات ہیں۔ ۱۹۴۶ء کے فسادات بہار کے موقعے پر بعض آبادیوں میں بلوائیوں نے یورش کی۔ مردوں نے اپنی بساط بھر مقابلہ کر کے اپنی جانیں دے دیں اور عورتوں نے کنوؤں میں

کود کود کر خودکشی کرلی۔ ایک گھر میں آگ لگائی گئی۔ باہر نکل کر بھاگنے کا تقاضا موقع تھا مگر عورتوں کے تصور میں بھی یہ نہ آسکا کہ گھر سے باہر کس طرح نکلا جاسکتا۔ مرد اور بچے تو نکل بھاگے اور عورتیں وہیں جل کر رہ گئیں۔ مشرقی پنجاب میں پچاس ہزار عورتوں کو مسلمانوں سے چھین لیا گیا۔ لیکن نہ ان میں تاب مقابلہ تھی کہ لڑ کر جان دے دیتیں۔ نہ ان میں اتنی جرأت تھی کہ قبضے میں آنے کے بعد از خود نکل کر پاکستان پہنچ جاتیں۔ اور نہ ان کو پڑھنا لکھنا آتا تھا کہ مراسلت کر کے اپنا پتہ حکومتِ پاکستان کو دیتیں کہ ان کو واپس بلا لیا جائے۔ آج ہمارے معاشرے میں لاکھوں عورتیں ہیں جن کے شوہروں کی قلیل آمدنی بالکل ناکافی ہے بلکہ بعض بیوہ اور بچوں والیاں ہیں اور ان کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں۔ وہ اپنے بچوں کو تعلیم و تربیت کہاں سے دیں گی جب کہ انہیں دو وقت روٹی نہیں ملتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یا تو وہ عصمت فروشی پر مجبور ہوتی ہیں یا بھیک مانگتی پھرتی ہیں۔ یا فاقے کرتی ہیں اور جسمانی صحت و ذہنی خودی کو خاک میں ملا رہی ہیں۔ اگر انہیں گھروں میں بند کر کے علم و ہنر سے محروم رکھنے کی بجائے کچھ ہنر سکھایا جاتا تو اپنے گھر کی معاشی حالت کو سنبھال سکتیں اپنی آبرو اور اپنی خودداری و شرافت کو محفوظ رکھتیں اور دوسروں کی دست نگر نہ ہوتیں۔ آج اگر گھر کا ایک کمانے والا دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے سارے بال بچے بھی گویا زندہ درگور ہو جاتے ہیں۔ یہ کس شریعت میں لکھا ہے کہ عورتوں کو خود کفیل ہونے کا کوئی موقع نہ دو۔ انہیں کوئی علم و ہنر نہ سکھاؤ؟ اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ عورتیں ہمیشہ مردوں کی دست نگر اور مجبور و مقہور بن کر گھروں میں بند رہیں؟ کیا ایسی قوم کبھی سرفرازی کی نعمت سے ہمکنار ہو سکتی ہے جو اپنی آبادی کے نصف حصے کو بے مصرف، بے کار اور محض ہوسناکی کا مرکز بنا کر رکھ چھوڑے؟ بلاشبہ انتظام خانہ داری کی اور بچوں کی پرورش و تربیت کی ذمے داریاں عورتوں پر عائد ہوتی ہیں لیکن ساری ذمے داریاں صرف انہی پر نہیں۔ مرد بھی ذمے دار ہے اور جس طرح اندرونِ خانہ کی ذمے داریوں میں مرد بھی شریک کار ہے اسی طرح بیرونِ خانہ کے کاموں میں عورت کی شرکت بھی اس کا ایک حق ہے۔ اور اسے اس حق سے محروم رکھنا کوئی اسلامی تعلیم نہیں۔ مشہور فلسفی ابن رشد نے بالکل صحیح کہا ہے کہ "وہ قوم کبھی سرفرازی و سربلندی حاصل نہیں کر سکتی جس کی عورتیں مردوں کے دوش بدوش کارِ زندگی میں شریک نہ ہوں۔"